رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۲۹۸

سلسلہ عالیہ احمدیہ کا سب سے مشہور و معروف اخبار جسکو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا ایک بازو قرار دیا

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۲۹۸

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ

ہفتہ وار

قادیان

الحکم

اخبار

دورِ جدید

چہ گویم باتو گر آئی چہادر قادیان بینی
دوا بینی شفا بینی غرض دارالاماں بینی

بیا در بزم مستاں تا بہ بینی عالمے دیگر
بہشتے دیگر و ابلیس دیگر آدمے دیگر

مدیر اعلیٰ:- شیخ یعقوب علی تراب احمدی

مدیر مسئول:- شیخ محمود احمد عرفانی مجاہد مصری

چندہ سالانہ
حکومت اور والیان ریاست سے .... ما ر
امراء ورؤساء سے ھہ ر
معاونین سے ... عہ ر
عوام سے .... صہ ر
ممالک غیر سے ... ۱۲ ر

مدیر المسیح

قادیان دارالامان سے ہر ماہ عیسوی کی ۷ - ۱۴ - ۲۱ - ۲۸ تاریخ کو خدا کے فضل سے شائع ہوتا ہے

قیمت فی پرچہ
۲ ر

جلد ۴۱ | مورخہ ۱۴/۲۱ دسمبر ۱۹۳۸ء مطابق ۲۱/۲۸ شوال ۱۳۵۷ھ | نمبر ۴۰ و ۴۱

حیدر آباد نمبر ۲۱ جنوری ۱۹۳۹ء کو شائع ہوگا

ہماری طرف سے ایک اعلان کیا گیا تھا کہ ۲۱ دسمبر ۱۹۳۸ء کو الحکم کا حیدر آباد نمبر شائع کیا جائیگا۔ جو مصوّر ہوگا۔ چونکہ اس نمبر پر بہت سا زائد خرچ آئیگا۔ جو سپیشل آڈروں کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ احباب نے ابھی تک پوری توجہ نہیں برتی۔ اس لئے جسقدر روپیہ اس نمبر پر خرچ آئے گا کم از کم اس کا پورا ہونا تو ضروری ہے۔ اس لئے اس نمبر کی اشاعت ۲۱ جنوری تک ملتوی کر دی گئی ہے۔ تاکہ مزید آرڈر موصول ہو سکیں۔

حیدر آباد دکن سے صرف حضرت سیٹھ عبداللہ بھائی الہ دین صاحب۔ اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب قبلہ نے اس نمبر کی اشاعت میں حصہ لیا ہے۔ باقی وہاں کی جماعتیں اور ذی وسعت احباب نے ابھی تک توجہ نہیں فرمائی۔

اگرچہ کسی دوست کا نام لکھ کر توجہ دلانا کوئی پسندیدہ امر نہیں۔ مگر میں ایک بزرگ کو اخبار کے ذریعہ توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اُن کی پوزیشن من حیث الجماعت ایسی ہے۔ میری مراد سید بشارت احمد صاحب امیر جماعتہا حیدر آباد دکن سے ہے۔ جو متعدد جماعتوں کے امیر ہیں۔ اور الحکم کی ترقی و اشاعت کے متمنی بھی ہیں۔ اگر وہ توجہ کریں۔ تو کم از کم اپنے حلقہ اثر میں ایک ہزار پرچہ کا آرڈر دے سکتے ہیں۔ اگر اسقدر آرڈر بھی مجھے مل گئے۔ جو اس نمبر کا خرچ پورا کر دیں۔ تو میں یہ نمبر ۲۱ جنوری ۱۹۳۹ء کو شائع کر دونگا۔

ورنہ پھر اس کمی کو کسی اور صورت میں پورا کر دیا جائیگا۔ جن احباب کو الحکم نومبر اور دسمبر کے پرچے نہیں ملے اُن کو یقین رکھنا چاہیئے۔ کہ ان کی کمی ہر حالت میں پوری کر دی جائیگی۔

(نوٹ)

یہ امر بھی احباب کو نوٹ کر لینا چاہیئے۔ کہ یہ نمبر اس سال کا آخری نمبر ہے۔ اور ۱۹۳۹ء کا پہلا نمبر ۱۴ جنوری ۱۹۳۹ء کو شائع ہوگا۔ وباللہ التوفیق۔

والسلام

محمود احمد عرفانی (ایڈیٹر الحکم قادیان)

موضع ٹھیکری والا میں ڈسٹرکٹ نیشنل لیگ کا
عظیم الشان جلسہ

۱۷ دسمبر ۱۹۳۸ء کو موضع ٹھیکری والہ میں جہاں احرار نے جماعت احمدیہ اور اس کے مقدس امام کے خلاف بہت کچھ بیہودہ سرائی کرنے کیلئے جمعۃ الوداع کے پردہ میں ایک جلسہ کر کے ناپاک حملے کئے۔ ڈسٹرکٹ گورداسپور نیشنل لیگ نے اسی جگہ ایک عظیم الشان جلسہ کر کے احرار کے سربستہ رازوں کو کھولا۔ ہزارہا کی تعداد میں لوگ شریک ہوئے صدر آل انڈیا نیشنل لیگ کا پونے گیارہ بجے کلو سوہل کے پل پر زبردست استقبال کیا گیا۔

الحکم کی توسیع اشاعت
ہر احمدی کا فرض ہے

اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام شیخ محمود احمد عرفانی ایڈیٹر پبلشر و پرنٹر چھپکر دفتر اخبار الحکم تراب منزل قادیان دارالامان سے شائع ہوا۔

حکومت ہند کا ایک غیر مستحسن اقدام

مولانا سیّد محمد اسمٰعیل غزنوی کو حج سے روک دیا

مولانا سیّد محمد اسمٰعیل صاحب غزنوی نے حکومت حجاز اور سلمان حجاج کی گذشتہ سالوں میں گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ اور ان خدمات کی وجہ سے وہ مسلمانوں میں ایک محبوب شخصیت کے مالک ہیں۔ کام کرنے کے لحاظ سے وہ ایک ایسی روح رکھتے ہیں۔ جو انتھک ہے۔ اور وہ جب تک اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہولیں ہمت ہار کر نہیں بیٹھتے۔ انہوں نے حکومت سے بارہا ٹکر لڑی۔ اور اس میں بھی کبھی حکومت کی قوت وعظمت کے سامنے اپنے آپ کو جھکنے نہیں دیا۔ بلکہ ہر قسم کی سختیوں کو نہایت حوصلے سے برداشت کیا۔

اس کے علاوہ حجاج کو حجاز پہنچانے کا کام صرف مغل لائن کمپنی کے پاس تھا۔ اور وہ واحد اجارہ دار ہونے کی وجہ سے حجاج کی ضرورتوں کی طرف سے اغماز بھی برت لیتی تھی۔ اور اس لیئے اس سلسلہ میں بڑے بڑے لوگوں کو بھی شکایات پیدا ہو جاتی تھیں۔ عامۃ الناس تو کسی حساب میں ہی شمار نہ تھے۔ مولانا غزنوی نے حجاج کی تکالیف کیلئے مغل لائن کمپنی سے ایک عرصہ تک جنگ کی۔ اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے۔ کہ جب تک مغل لائن کے سوا ایک اور کمپنی میدان عمل میں نہ آئیگی۔ اسوقت تک حجاج کی شکایات کا علاج نہ ہوسکیگا۔ چنانچہ اُن کی مساعی بارآور ہوئیں۔ اور سندھیا کمپنی میدان عمل میں آگئی۔ اور اس کمپنی نے دو شاندار جہاز المدینہ اور الهند سمندر میں لا کر کھڑے کر دیئے۔ اس کمپنی کے معرض وجود میں آنے سے مغل لائن کی اجارہ داری ختم ہوگئی۔ اور مقابلہ اور کمپٹیشن شروع ہوگیا جس کی وجہ سے حجاج کو زیادہ سے زیادہ آرام بھی حاصل ہوا۔ اور کرایوں میں بھی تخفیف ہوگئی۔ یہ خدمات ایسی ہیں۔ کہ جن کی وجہ سے ہر سلمان کو مولانا غزنوی کی ذات سے محبت پیدا ہونی یقینی ہے۔ علاوہ ازیں آپ کے خاندان کی وجاہت۔ اور علمی عظمت بھی مسلّمہ ہے۔ حکومت کا ایک ایسے شخص کی نسبت کوئی ایسا حکم دینا جو اُسے کسی ایسی خدمت سے یا کسی ایسے فریضہ کی انجام دہی سے روک دے۔ جو خالص مذہبی فریضہ ہو۔ اور جسکا تعلق عام مسلمانوں کی ذات سے ہو۔ وہ کبھی بھی مسلمانانِ عالم کی نگاہ میں مستحسن نہیں ٹھہر سکتا۔ ایسے وقت میں جبکہ حکومت کئی قسم کی سیاسی گتھیوں کو سلجھانے کی فکر میں ہے۔ مناسب یہی ہے۔ کہ حکومت کوئی ایسا اقدام نہ کرے۔ جو مسلمانوں کے لیئے بین الاقوامی صورت اختیار کر جائے۔ اس لیئے ہم حکومت کو نہایت مخلصانہ مشورہ دیں گے۔ کہ وہ مولانا غزنوی پر سے اس قسم کی پابندیاں ہمیشہ کے لیئے دور کر دے۔ حکومت کا ایسا اقدام نہایت عاقلانہ اور مبارک ہوگا۔

اعلان نکاح

میرے برادر عزیز شیخ عبدالرب صاحب عرفانی جو کہ ہم سب سے چھوٹے ہیں۔ کی شادی مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۳۸ء کو پونہ علاقہ بمبئی میں مکرمی محترمی شیخ غازی الدین صاحب پنشنر پوسٹ ماسٹر کی دختر بلند اختر فاطمہ مہرالنساء بیگم سے پانسو روپے مہر پر ہوئی۔ نکاح خاکسار شیخ محمود احمد عرفانی نے پڑھا۔ بہت سے احمدی اور غیر احمدی احباب خطبہ نکاح کے وقت موجود تھے۔

ساڑھے تین سو روپے کا زیور اسوقت دلہن کے لئے ہماری طرف سے دیا گیا۔ اور یہ زیور مہر کی رقم میں مجرا کر دیا گیا۔ اِسطرح باقی ڈیڑھ سو کی رقم مہر میں سے عزیز موصوف کے ذمہ رہی۔

برات بمبئی سے گئی۔ اور پہلے وہیں واپس آئی۔ جہاں سے قادیان آگئے۔ ۱۳ دسمبر کو دعوتِ ولیمہ ہوئی۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز اور بہت سے بزرگان نے شمولیت فرمائی۔ حضور نے لمبی دعا فرما کر اس رشتہ کو برکت دی۔

میری محبان الحکم و دیگر تمام احمدی احباب سے درخواست ہے۔ کہ وہ دعا فرمادیں کہ اللہ تعالےٰ اس تعلق کو ہر طرح مبارک کرے۔

ہم شیخ غازی الدین صاحب اور اُن کے خاندان کے شکر گذار ہیں۔ کہ انہوں نے ہماری ہر طرح سے عزت افزائی فرمائی۔ نیز میرے بھتیجے شیخ محمد سلیمان عرفانی ابن شیخ محمد ابراہیم صاحب کی نسبت اپنی سب سے چھوٹی بچی شمس النساء بیگم سے منظور فرمائی۔ اللہ تعالےٰ اس تعلق کو جانبین کے لیئے بابرکت بنائے۔

(محمود احمد عرفانی)

---

۴۴ تو اس کے ۱/۹ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔

گواہ شد	العبد	گواہ شد
غلام حسین ریٹائرڈ انسپکٹر دارالفضل	ملک حبیب حسن	ظفر حسن صوبیدار ڈاکٹر والد موصی

نمبر ۵۲۵۰

منکہ صوبیدار محمد عبداللہ انڈین آرمی ولد شیخ الٰہی بخش صاحب مرحوم قوم شیخ قریشی پیشہ ملازمت فوجی پنشنر عمر ۶۲ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۳ء ساکن قادیان ضلع گورداسپور بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۴ 11/38 حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔

میری اسوقت حسب ذیل جائیداد ہے جس کی کل قیمت -/4799 روپے ہے۔

(۱) دوکان عہ ۳۱ و ۳۲ برطرف اڈہ خانہ واقعہ قادیان جکا رقبہ چار مرلے چھ سرساہی چھ مربع فٹ قیمتی	710/-
(۲) " " عہ ۳ و ۴ " " " " چار مرلے ۲۹۷ مربع فٹ "	200/-
(۳) " " عہ ۵ و ۶ " " " " چار مرلے ۱۲۷ " "	179/-
(۴) " " عہ ۲۱ و ۲۲ " " " " چار مرلے ۱۴۰ " "	240/-
(۵) احاطہ عہ 37 " " " " دس مرلے ۸۱ " "	400/-
(۶) دوکان عہ ۲۳ و ۲۴ و ۲۵ " " " تین مرلے ۵ سرساہی ۲ مربع فٹ "	300/-
(۷) مکان واقعہ محلہ دارالعلوم موسومہ چوہدری نصراللہ خاں صاحب قیمتی	1530/-
(۸) اراضی واقعہ قادیان متصل پشت احمدیہ سٹور ایک کنال گیارہ مرلہ قیمتی	1240/-
کل =	4799/-

اس کے ۱/۹ حصہ کی جائیداد مذکورہ بالا میں سے دوکان عہ ۳۱ و ۳۲ و ۳۴ و ۳۵ قیمتی بترتیب 55 و 100 و 100 و 100 صدر انجمن احمدیہ قادیان کے نام جس کی کل قیمت -/355 روپے ہوتی ہے منتقل کرتا ہوں لیکن میرا گذارہ صرف اس جائداد پر نہیں بلکہ ماہوار آمد پر ہے۔ جو کہ اسوقت چالیس روپے ماہوار ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۴ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ کہ میری جائیداد جو بوقت وفات ثابت ہو۔ اس کے بھی ۱/۹ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ (نوٹ) کل جائداد 4799 روپے کا ۱/۹ حصہ 533 روپے ہوتا ہے لیکن میں ۴۴ جو جائیداد صدر انجمن احمدیہ قادیان کے نام منتقل کرتا ہوں اس کی قیمت -/355 روپے ہے۔ گویا /21 روپے زیادہ ہوتے ہیں۔ ان میں عہ نقد شامل کرکے پانچ کا چندہ حصہ اور از نومبر ۳۸ء تا مارچ ۱۹۳۹ء پیشگی ادا کرتا ہوں۔ یعنی 21 + ½ 1 روپیہ کل ½ 22 روپے۔ العبد صوبیدار محمد عبداللہ ... گواہ شد برکت علی خاں فنانشل سیکرٹری تحریک جدید۔ گواہ شد محمد طفیل خان

وصایا

نمبر ۵۲۴۹

منکہ ملک حبیب حسن ولد صوبیدار ڈاکٹر ظفر حسن صاحب قوم ککے زئی عمر ۲۱ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان ضلع گورداسپور بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ 23 15/38 حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔ میری جائداد اسوقت صرف ایک سو آٹھ روپیہ ہے۔ جو صدر انجمن احمدیہ کے خزانہ میں بمد امانت جمع ہے۔ فی الحال میں بیت المال میں عارضی طور پر کام کرتا ہوں۔ (پندرہ روپے ماہوار پر) اسکی آمد کا بھی ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ اس کے علاوہ اگر میں اپنی زندگی میں اس جائیداد کے حصہ وصیت کردہ میں سے کوئی رقم حوالہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کر کے رسید حاصل کرلوں۔ تو ایسی رقم یا جائیداد حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائیگی۔ اگر میری کوئی جائداد بوقت وفات کے بعد ثابت ہو ۴۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سیرت المہدی کا ایک ورق

(تحریر کردہ شیخ محمد نصیب صاحب)

نام و ولدیت :۔ شیخ محمد نصیب ولد شیخ قطب الدین صاحب مرحوم و مغفور۔ اصل سکونت :۔ موضع موہیاں کلاں تحصیل و ضلع امرتسر۔ سکونت حال :۔ قادیان دارالامان و دارالایمان تاریخ بیعت۔ آخر ہفتہ ماہ اگست یا اوّل ہفتہ ماہ ستمبر ۱۸۹۷ء

قریباً گیارہ سال مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانۂ مبارک نصیب ہؤا۔ اس مبارک زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دہنِ مبارک سے ہزاروں پھول جھڑتے دیکھے۔ اور ہزاروں کلمات طیّبات سنے۔ اور بیسیوں رقعے آپ کی خدمت مبارک میں لکھے۔ جن کا جواب حضور علیہ السّلام نے اپنے دستِ مبارک سے دیا۔ یا حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم یا کسی اور دوست سے لکھوایا۔ جو اگر سب کچھ یاد رکھا جاتا اور سنبھال کر رکھا جاتا۔ تو اب جب کہ ان تمام باتوں کو محفوظ کرنے کا زمانہ آیا ہے۔ ہر ایک صحابی کی جداگانہ ایک ایک کتاب لکھی جاتی۔ مگر آہ! حق یہ ہے۔ کہ اُس لعلِ بے بہا کی اُس نعمت غیر مترقبہ کی ہم نے قدر نہ کی۔ جو حق قدر کرنے کا تھا۔ تا آنکہ وہ نعمت عظمیٰ ہم میں سے اٹھ گئی۔ اور اپنے حقیقی مولیٰ سے جا ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور آج ہم اس نقصان پر افسوس کر رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہماری اس غفلت کو معاف فرمائے۔ آمین۔ تاہم جو موٹی موٹی باتیں یاد رہ گئی ہیں۔ وہ تحریر کی جاتی ہیں :۔

۱۶ اگست ۱۸۹۷ء کا دن کیا ہی مبارک دن تھا جس پر آج ۳۱ سال گذر چکے ہیں جب کہ میں بارہ بجے دن کے حصولِ علم کی خاطر اس مبارک بستی میں پہنچا۔ میں اسوقت بالکل نوجوان لڑکا تھا۔ داڑھی مونچھ ابھی نہ آئی تھی۔ سب سے اوّل میں حضرت مولوی نورالدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہؤا جن کے نام بٹالہ سے مجھے بابو غلام رسول صاحب اسٹیشن ماسٹر نے (جو غالباً بھیرہ کے رہنے والے تھے۔ خداتعہ اُن پر بڑی بڑی برکات نازل فرمائے) رقعہ دیا تھا۔ حضرت مولوی صاحب موصوف کے پاس مَیں نے بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی، شیخ عبدالعزیز صاحب نومسلم اور بھائی عبدالرحیم صاحب کو پایا۔ نیز حکیم غلام محمد صاحب ساکن راہوں کو طب پڑھتے دیکھا تھوڑی دیر بعد حضرت مولوی صاحبؓ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ساتھ گول کمرہ میں کھانا تناول فرمانے چلے گئے۔ کیونکہ حضور اُن ایام میں صبح کا کھانا احباب کے ساتھ گول کمرہ میں اور شام کا مسجد مبارک میں تناول فرمایا کرتے تھے۔ اور بہت تھوڑے احباب ہوتے تھے۔ جو انگلیوں پر گنے جاتے تھے۔ مجھے بھی کھانا کھانے کو کہا گیا۔ اُن دنوں لنگر اس جگہ تھا۔ اور بہت ہی مختصر جہاں اب حضرت نواب محمد علی خان صاحب کا شہر میں مکان بنا ہؤا ہے۔ وہاں ملک غلام حسین صاحب باورچی اور پیرا دتہ پہاڑیہ تھے۔ مجھے روٹی کھلائی گئی۔ اور واپس مطب میں آگیا۔ مولوی صاحب نے میرے حالات دریافت کئے۔ نماز ظہر کا وقت ہؤا۔ تو میں مسجد مبارک میں پہنچا۔ مسجد بالکل چھوٹی سی تھی۔ چوڑائی میں بمشکل پانچ چھ آدمی ایک قطار میں آسکتے تھے۔ اور پانچ چھ صفیں ہو جاتی تھیں۔ یا زیادہ سے زیادہ سات صفیں۔ حضرت اقدسؑ کی تشریف آوری کا انتظار ہو رہا تھا۔ آخرکار وہ چودھویں کا چاند دمکتا ہؤا ظہور پذیر ہؤا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی مجھے زیارت نصیب ہوئی۔ مصافحہ کیا۔ آپ نے حالات دریافت فرمائے۔ میں نے کچھ سنائے۔ آپ نے بڑی توجہ سے میری طرف دیکھا کبھی کبھی اس نقشہ کو میاں معراج الدین صاحب عمرؔ یا میاں اللہ دین صاحب فلاسفر جو موجود تھے کھینچا کرتے ہیں۔

اُن دنوں پادری مارٹن کلارک امرتسری کا مقدمہ اقدام قتل حضور علیہ السلام کے خلاف دائر تھا۔ اور ۲۰ اگست ۱۸۹۷ء کو پیشی تھی حضرت معہ اپنے خدام کے ۱۸ اگست کو قادیان سے روانہ ہوئے۔ اسوقت تک بارش نہ ہوئی تھی۔ رستہ خشک تھا۔ چونکہ میں نے دیکھا۔ کہ یہاں کوئی سکول نہیں میں واپس جانے کو ساتھ ہی تیار ہوگیا۔ مگر حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے (اللہ کی اُن پر ہزاروں ہزار رحمتیں نازل ہوں۔) مجھے نہ جانے دیا۔ اور حکیم غلام محمد صاحب کے ہاتھ میں میرا ہاتھ دیکر فرمایا۔ کہ یہ تمہارا ککے زئی بھائی ہے۔ میرے آنے تک اسے پاس رکھو۔ کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ میں واپس آکر تعلیم کا انتظام کروں گا۔ چونکہ خدا نے محض اپنے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شناخت کا شرف بخشنا تھا۔ اور اس مبارک عمارت میں یہ حقیر سی اینٹ بھی لگانی تھی۔ اس لئے میں رہ گیا حضرت کے تشریف لے جانے کے بعد اس کثرت سے بارش ہوئی۔ کہ تمام راستے بند ہو گئے۔ اور ۲۲ اگست ۱۸۹۷ء کو حکم سنانے کی تاریخ جناب ڈگلس صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع گورداسپور نے مقرر فرمائی۔ اسلئے حضرت اقدس علیہ السلام نے وہیں قیام فرمایا۔ اور یہاں ایک آدمی بھیج کر حضرت ام المومنینؓ کو حقیقت سے اطلاع کردی۔ حضرت اقدس علیہ السلام ۲۴ اگست کو عدالت سے حکم سُن کر الٰہی وعدوں کے مطابق نہایت بریّت وکامیابی کے ساتھ فتحمندی سے قادیان تشریف لائے۔

جب میں نے پہلی مرتبہ حضرت اقدس علیہ السلام کو دیکھا۔ آپ کے سر مبارک پر فولڈ ہونے والی پتلی سُرخ رنگ کی رومی ٹوپی۔ بدن مبارک پر اس گرمی کے موسم میں لکیردار فلالین کی قمیص اور پاجامہ تھا۔ ہمیشہ حضور علیہ السلام کی عادت تھی۔ کہ کبھی تو مسجد مبارک میں اتنے ہی لباس میں تشریف لاتے اور کبھی پورے لباس کے ساتھ یعنی مزید برآں کوٹ اور پگڑی سے جس کے نیچے وہی پتلی ٹوپی ہوتی۔ کلاہ آپ کے سر پر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ بغیر ٹوپی بھی صافہ سر پر ہوتا۔ عموماً سفید ململ کی پگڑی ہوتی۔ کبھی آپ نے لنگی بھی باندھی ہے۔ مگر بہت کم۔ گھر مکان کے نیچے جب حضور تشریف لے جاتے تو ہمیشہ پورے لباس میں اور سوٹی ہاتھ میں ہوتی۔ پاؤں میں کبھی جراب ہوتی کبھی نہ ہوتی کبھی تو سُرخ کھال کی جوتی ہوتی۔ کبھی گرگابی۔ گرگابی کا دایاں پاؤں کبھی بائیں اور بایاں دائیں ہوتا۔ کوٹ کا بٹن کبھی واسکٹ میں اور واسکٹ کا کبھی کوٹ میں ملا ہوتا۔ گھڑی اکثر دفعہ حضور علیہ السّلام کی جیب میں دیکھی گئی۔ مگر وقت پر چابی دینی یاد نہ رہتی۔ اور وہ خراب رہتی۔ احباب درست کر کے دیتے مگر پھر وہی حال۔ کیونکہ خدا نے اُن کو کسی اور ہی کام کے لئے مامور کر کے بھیجا تھا۔ اِن کاموں سے وہ بالکل ہی بے خبر اور بے تعلق پائے گئے۔ دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں آپ نے مہر بھی پہنی ہوتی۔

اُن دنوں اپنا کوئی مکتب یا مدرسہ نہ تھا۔ صرف حضرت مولوی صاحبؓ کا درس قرآن بعد نماز عصر ہؤا کرتا۔ یا ڈسٹرکٹ بورڈ کا پرائمری سکول جو اب تک موجود ہے۔ یا آریہ اینگلو ورنیکلر مڈل سکول۔ ایک اخبار آریوں کا شبھ چنتک ہفتہ وار نکلا کرتا۔ اور آریہ لوگ احمدیت کی بہت مخالفت کرتے۔ مگر بعد میں جلدی ہی طاعون سے بہت سے آریہ حتّٰی کہ ماسٹر سومراج ہیڈ ماسٹر مڈل سکول، اور ایڈیٹر اخبار و منیجر وغیرہ مر گئے اور سکول اور اخبار بند ہو گئے۔ اور ان پر خاموشی چھا گئی۔ کتاب "قادیان کے آریہ اور ہم" تصنیف کرنے کی بھی یہی وجہ ہوئی۔ کہ مسجد اقصیٰ کے جانب جنوب ہندوؤں کے مکانات تھے۔ ایک عید کے موقع پر تنگیٔ جگہ کے باعث بعض لوگ اُن چھتوں پر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ مالک مکان نے بدزبانی کی۔ لوگ خاموش ہو گئے۔ چند روز کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ رسالہ تصنیف فرمایا۔ اس کے بعد بہت سے

آدمی جن کا اوپر ذکر ہؤا مر گئے۔ اور وہ تمام مکانات اب مسجد اقصیٰ میں مل گئے ہیں۔ اور کوئی ہندو اس جگہ نہیں رہا۔

حضرت مولوی صاحب نے نواب صاحب کو مالیرکوٹلے میرے لئے لکھا۔ کیونکہ وہاں آپ نے ایک سکول جاری کر رکھا تھا۔ مگر چونکہ اللہ تعالےٰ کو میرا یہاں حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت مبارک میں رکھنا منظور تھا۔ وہاں سے کوئی جواب نہ آیا۔ تو مولوی صاحب نے مجھے آریہ سکول میں داخل کروا دیا۔ میرے ساتھ بعض اور بھی مسلمان طلباء پڑھتے تھے۔ مثلاً مرزا محمد احسن بیگ صاحب مرزا ارشد بیگ صاحب مرحوم اور حکم دین وغیرہ۔

ان دنوں کوئی کسی قسم کی کسی احمدی کی دوکان نہ تھی میں نے طالب علمی کے ساتھ تھوڑا سا کام شروع کیا ہؤا تھا یعنی کچھ سٹیشنری کی چیزیں اور امرتسر سے گول گول بسکٹ جسے بکرم کہا جاتا تھا۔ اور اُن دنوں قادیان میں یہ نام عجیب سمجھا جاتا تھا۔ اور میں نے یہ نام یہاں بتایا۔ اور کچھ بٹالے سے میٹھے چنے اور ریوڑیاں وغیرہ لے آتا۔ حضرت مولوی صاحب کے مطب کی الماری میں یا بڑے دروازے کے ساتھ کی بائیں جانب کی پہلی کوٹھڑی میں۔ احباب یہ چیزیں خوشی خوشی لے جاتے اور بہت غنیمت سمجھا جاتا۔ گویا قادیان میں بڑا سوداگر میں شمار کیا جاتا۔ اور مکرمی شیخ یعقوب علی صاحب ہمیشہ لال سوداگر کہہ کر مجھے پکارا کرتے۔

آریہ سکول میں مذہبی مضامین کا ایک گھنٹہ تھا۔ وہ تناسخ اور گوشت خوری پر جواب مضمون لکھنے کو کہتے بھائی شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی مجھے لکھ دیتے۔ جب سنتے تو وہ سخت گھبراتے۔ آخر تنگ آکر مجھے سکول سے نکالنے کی ٹھانی۔ مجھے حکم دین صاحب نے اطلاع کی۔ میں نے حضرت مولوی صاحبؓ اور حکیم فضل الدین صاحب مرحوم سے عرض کر دیا۔ اور سکول نہ گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان دنوں موضع بوٹر کی طرف اکثر سیر کو جایا کرتے تھے۔ جب واپسی پر احمدیہ چوک میں ٹھہرتے اور احباب آپ پر سے رستہ کی گرد وغبار جھاڑتے۔ مجھے یاد ہے۔ کہ میر عابد علی شاہ صاحب ملہم مرحوم بدوملہی والے اکثر حضور علیہ السلام کے پاؤں میں بیٹھ جاتے۔ اور اپنی نہایت سفید پگڑی کے پلڑے سے آپ کی جوتی صاف کرتے۔ پاؤں سے گرد جھاڑتے۔ حضرت اقدسؑ ٹھہرے رہتے۔ اسوقت حضرت مولوی صاحبؓ گاہے گاہے عرض کرتے کہ حضور! ہمارے کچھ بچے آریہ سکول میں پڑھتے ہیں۔ اور وہ اُن سے چھیڑ خانی کرتے رہتے ہیں۔ اسلئے بہتر ہے۔ اپنا کوئی سکول ہو۔ حضرت اقدس علیہ السلام فرماتے۔ بہت اچھا۔ اسی طرح کچھ مدت موقع پاکر یہ گفتگو ہوتی رہی۔ آخر ایک روز مولوی صاحب بارہ بجے دن کے گول کمرہ میں کھانا کھانے تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت مولوی صاحبؓ نے حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں سکول کے اجراء کا ذکر کیا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے منظوری دیدی۔ وہیں کھانے پر ہی چندہ کی تحریک کی۔ تو حاضرین نے اپنا اپنا چندہ تھوڑا بہت جسقدر ہو سکا لکھوایا۔ مجھے یاد ہے۔ کہ دو روپے ماہوار تو میاں محمد اکبر صاحب ٹھیکیدار بٹالہ نے جو ائی امام بی بی صاحبہ کے خاوند تھے لکھوائے۔ اور سب سے زیادہ چندہ حضرت حکیم الامت نے یعنی پانچ روپے ماہوار لکھوایا۔ اور کل میزان غالباً دس بارہ روپے ماہوار تھی۔ اور اسقدر قلیل رقم کی بنا پر حضرت اقدس علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ پر توکل کرکے سکول کی بنیاد رکھ دی۔ حضرت مولوی صاحبؓ مطب میں واپس آئے۔ میں اُن کی نشست کے پاس بیٹھا تھا۔ میری ران پر ہاتھ مار کر فرمایا۔ لے تُو نے ہمارے تو نبے توڑ کھائے تھے۔ ہم تمہارے لئے آج سکول کا بندوبست کر آئے ہیں۔" اِس کے بعد "تعلیم الاسلام" سکول کے نام سے جماعت میں سکول کے اجراء اور اُس کی اعانت کے لئے ایک اشتہار شائع کیا گیا۔ غالباً یہ سال ۱۸۹۸ء کا واقعہ ہے۔ اُس وقت نہ تو کوئی سکول کی امارت تھی۔ نہ مدرس۔ نہ سوائے میرے کوئی مستقل طالب علم۔ مرزا نظام الدین صاحب کی کوٹھڑیوں میں اور مہمان خانہ کی کچی کوٹھڑیوں میں سکول کھولا گیا۔ اِدھر اُدھر سے احباب جمع کرکے اُن سے مدرسین کا کام لیا گیا۔ مثلاً بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی شیخ عبدالرحمٰن صاحب نو مسلم شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرسادی۔ مفتی فضل الرحمٰن صاحب۔ منشی فضل الدین صاحب کلانوری۔ حافظ احمد اللہ صاحب مرحوم۔ شیخ یعقوب علی صاحب اُن دنوں امرتسر سے اخبار الحکم شائع کر رہے تھے حضرت کے حکم سے اُن کو سکول کی ہیڈ ماسٹری پر بہت قلیل تنخواہ پر بلایا گیا۔ جب کام بڑھ گیا۔ تو پھر موسمی تعطیلات میں ماسٹر قادر بخش صاحب مرحوم ہیڈ ماسٹر رہے۔ مگر بعد میں وہ جلدی ہی حضرت صاحبؑ کی اجازت سے اپنی سرکاری ملازمت پر واپس چلے گئے۔ بعد میں کچھ عرصہ ملک شیر محمد صاحب بی۔ اے ہیڈ ماسٹر رہے۔ اُن سے حضرت مولوی شیر علی صاحب بی۔ اے نے آکر چارج لیا۔ اور وہ حضرت اقدس علیہ السلام کی اجازت سے ریاست جمّوں میں جا ملازم ہوئے۔ مکرّم حضرت قاضی امیر حسین صاحب امرتسر ایم۔ اے۔ او ہائی سکول میں مدرس دینیات تھے۔ اُن کو بھی یہاں بلا لیا گیا۔ اور ماسٹر فقیر اللہ صاحب پشاور سے آئے۔ وہ بھی مدرس کا کام کرتے رہے اور اب سکول میں رونق معلوم ہونے لگی۔ طالب علم میں تو تھا ہی۔ اسوقت تمام مسلمان طالب علم جمع کر لئے گئے۔ اور وہ خوشی خوشی اپنا سکول سمجھ کر دوڑے آئے گویا اُن کے بھاگ کھُل گئے۔ اکثر خوجوں کے بچے تھے۔ دیگر مسلمان بچے بھی۔ مرزا احسن بیگ صاحب۔ مرزا ارشد بیگ صاحب اور حکم الدین صاحب اور بابا حسین بخش خیاط کا عبدالرحمٰن نام لڑکا۔ صوفی حافظ غلام محمد صاحب مبلغ مارشیس بعد میں آکر ملے۔ جو اسوقت انبالہ چوہدری رستم علی صاحب کورٹ انسپکٹر صاحب کے پاس رہتے تھے۔ ایسے ہی مرزا محمد اسمٰعیل صاحب بھانجہ مرزا خدابخش صاحب مصنف "عسل مصفیٰ" بعد میں آئے۔ اور سب سے بڑی جماعت اوّل مڈل میں ہم ہر سہ طالب علم تھے۔ اُن دنوں انگریزی مڈل کا امتحان میٹرک کی طرح پنجاب یونیورسٹی کے زیر اہتمام ہؤا کرتا تھا۔ مولوی محمد علی صاحب اُن دنوں پنجاب یونیورسٹی میں ریاضی کے ممتحن تھے۔ ہم ہر سہ پہلے سال امتحان میں گئے۔ اور تینوں خدا کے فضل سے کامیاب ہوئے۔ یہ جنوری ۱۹۰۱ء کا واقعہ ہے۔

کبھی کبھی حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم بھی سکول میں تشریف لایا کرتے تھے۔ اور ہمیں انگریزی پڑھایا کرتے تھے۔ اور میں اُن کے مکان پر جو مسجد مبارک کی اندر کی سیڑھیوں سے گذر کر دائیں جانب کی کوٹھڑی میں رہتے تھے۔ جایا کرتا اور اُن کی خدمت کیا کرتا۔ اور اُن سے قرآن مجید اور انگریزی اور فارسی پڑھا کرتا۔ صوفی صاحب اُن سے قرأت قرآن مجید سیکھتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب کبھی کبھی آٹا گوندھ کر برتن نہالی خاکروبن کے ہاتھ پر رکھ دیتے کہ لنگر سے روٹی لگوا کر لائے۔ لنگر والے روٹیاں لگا کر برتن میں رکھ کر برتن اُس کے ہاتھ پر رکھ دیتے۔ کہ واپس لے جائے۔ مولوی صاحب اٹھا لیتے۔

۱۹۰۰ء میں قاضی امیر حسین صاحب مرحوم نے اپنے ایک دوست منشی عبدالرحمٰن صاحب عرائض نویس ڈیرہ دون کی لڑکی سے میری شادی کا انتظام کیا۔ اور ہم سب مع لڑکی اور اُس کے والدین کے خوش تھے۔ مگر حضرت ناناجان مرحوم اور میاں معراج الدین صاحب عمر اور ایسے ہی میرے رشتہ دار ناخوش تھے آخر حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ آپ نے مولوی عبدالکریم صاحب سے لکھوایا کہ استخارہ کر لو۔ چنانچہ استخارہ کیا گیا۔ اِس کے بعد جب میں تیار ہوتا۔ بیمار ہو جاتا۔ کوئی سال ڈیڑھ سال تک استخارہ کرتا رہا۔ اور یہ معاملہ چلتا رہا۔ آخر میں نے حالات ناموافق دیکھ کر جواب دے دیا اور میری شادی میرے ماموں کی لڑکی سے ہوئی۔ جن کا ابتدا سے ارادہ تھا۔ اس رشتہ میں خدا نے بڑی برکت دی اور وہ ۲۵ سال سے خدا کے فضل سے میری رفیقۂ حیات ہے۔

قاضی صاحب نے شیخ فضل کریم صاحب ڈنگوی کا وہاں نکاح کروا دیا۔ ایک سال بعد لڑکا بھی پیدا ہؤا۔ مگر کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ وہ طلاق

دے کر پنجاب چلے آئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق دیر تک استخارہ وغیرہ کرنے سے مجھے نقصان سے بچا لیا۔

سنہ ۱۹۰۱ء میں میری شادی کا انتظام ہوا۔ یہاں سے جناب قاضی امیر حسین صاحب، شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی، شیخ عبدالرحیم صاحب اور غالباً چند اور دوست براتی بن کر گئے۔ جب واپس آئے۔ تو حضرت اقدسؑ کی دعوت کی۔ کھانا میاں عبدالرحیم حجام نے پکایا۔ جو حضور علیہ السلام کو مہندی لگایا کرتا تھا۔ اُس سے زردہ کے چاول کچے رہ گئے۔ عبدالرحیم نے بھیج دیئے۔ مگر حضور علیہ السلام نے اس نقص کی مطلق پرواہ نہ کی۔ تا کسی کی دلشکنی نہ ہو۔ اور از سرِ نو پکوا کر تناول فرمائے۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحب جن دنوں لاہور ملازم تھے۔ تو ہر اتوار کو حضرت اقدس علیہ السلام کی زیارت کرنے اور کلمات طیبات سُن کر لاہور جا کر سنانے کو تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب آئے تو اپنے ہمراہ اپنی بیوی اور والدہ یا زوجہ میاں محمد افضل خاں صاحب ایڈیٹر اخبار البدر کو لائے۔ خود واپس چلے گئے۔ اور مستورات کو یہاں چھوڑ گئے۔ کچھ دن بعد مستورات نے جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے اُن کا تنہا سفر کرنا پسند نہ فرمایا۔ اور فرمایا۔ کہ میاں محمد نصیب جا کر چھوڑ آئے۔ چنانچہ میں مستورات کو چھوڑنے گیا۔ مفتی صاحب اُن دنوں مزنگ رہتے تھے۔

سال سنہ ۱۹۰۳ء کا ذکر ہے۔ جب صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید اپنے وطن کو واپس جانے لگے۔ تو حضرت اقدس علیہ السلام معہ خدام قادیان سے باہر رخصت کرنے گئے۔ جب بوقت الوداع حضرت مولوی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے معانقہ کرنے لگے۔ تو روتے ہوئے حضرت اقدسؑ کے پاؤں مبارک پر گر پڑے۔ حضور علیہ السلام نے دو تین مرتبہ فرمایا۔ مولوی صاحب اٹھو! ایسا نہ کرو۔ وہ نہ اُٹھے۔ آخر آپ نے فرمایا۔

"الامر فوق الادب"

اس پر مولوی صاحب جھٹ کھڑے ہو گئے۔

ایک دفعہ سیر سے واپسی پر فرمایا۔ یہ جو سوڑ ملک میں آیا ہے۔ ان اصبح ماؤکم غوراً فمن یاتیکم بماءٍ معین۔ ایک سرکش آدمی نے کہا۔ یہ کیا مشکل ہے۔ ہم اور کنواں کھود دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے اندھا کر دیا۔ اور کہاں سے اور کنواں کھود سے۔

غضِ بصر میں تو آپ کو کمال حاصل تھا۔ مگر جبلّی طور پر نہ کہ تصنع سے۔ باوجود آنکھیں نہایت صاف اور موٹی موٹی ہونے کے کھلی نہ رہتیں تھیں۔ بلکہ بند معلوم ہوتی تھیں۔ جہاں اب حضرت نواب صاحب کا مکان ہے۔ لاہور سے ایک فوٹو گرافر غالباً شنکر داس نام ساکن انارکلی لاہور تبلیغی غرض سے حضرت اقدس علیہ السلام کا فوٹو لینے آیا۔ وہ بہتیرا عرض کرے۔ کہ حضرت آنکھیں کھول کر رکھیں۔ تا فوٹو اچھا آئے۔ آپ تکلف سے آنکھیں کھول لیتے مگر معاً پھر قدرتی حالت پر آ جاتیں۔ جیسا کہ فوٹو سے ظاہر ہے۔ چونکہ اوپر کے چھپر بند رہتے تھے۔ اسلئے آپ کی آنکھ پر ایک نہایت سُرخ رنگ کا تل دکھائی دیا کرتا۔ جو نہایت خوبصورت لگتا۔

آپ تیزی سے چلتے۔ تیز رَو ہی آپ کا ساتھ دے سکتے تھے۔ ورنہ دوسرے لوگ اکثر پیچھے رہ جاتے تھے۔ مگر دم بالکل نہ پھولتا تھا۔ آپ چلنے میں دائیں بائیں بالکل نہ دیکھتے تھے۔ اس لئے آپ کو خبر ہی نہ ہوتی تھی۔ کہ کون کون میرے ساتھ جا رہا ہے بسلسلہ گفتگو میں کسی بات کے دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی تو حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کو مخاطب کرتے۔ مگر مولوی صاحبؓ دُور پیچھے ہوتے تب حضور ٹھہر کر حضرت مولوی صاحبؓ کا انتظار فرماتے مولوی صاحب دوڑ دھوپ کرتے حضرتؑ سے ملتے آپ چلتے ہوئے باتیں کرتے جاتے۔ جب وہ بات ختم ہو جاتی۔ اور کوئی اور بات شروع ہوتی۔ تو حضرت مولوی صاحبؓ مجبوراً پھر پیچھے رہ جاتے۔ کیونکہ ایک تو مولوی صاحب کو زیادہ تر نشست کی عادت تھی۔ چلنے کی عادت نہ تھی۔ دوم بوجہ توند زیادہ چل نہ سکتے تھے۔

یہ بھی آپؑ ہی کا خاصہ تھا۔ کہ چلتے پھرتے لکھتے جاتے تھے۔ کاپی۔ پروف آپ اسی طرح دیکھا کرتے۔ ایک دوات ایک طرف دوسری دوسری طرف ہوتی۔ عموماً ہولڈر سے جسے ٹیڑھا نب لگا ہوتا اور سیاہی جامنی رنگ سے لکھتے آپ کا خط نہایت پختہ شکستہ تھا۔ جسے وہی پڑھ سکتا جسے حضور کا خط پڑھنے کا ربط ہوتا۔ یہ خاکسار بھی حضرت کی قلم سے لکھا پڑھ لیتا۔ مگر سید میر مہدی حسین صاحب کو خاصہ ملکہ تھا۔

آپ کی چابیوں کا گچھا عموماً آپ کے آزار بند سے بندھا ہوتا۔ جو بوجہ بوجھ بار بار سیر میں گرتا۔ اور آپ اٹھا کر اوپر کرتے۔

آپ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مظہر اتم تھے۔ اس لئے آپ کے اخلاق فاضلہ اور صفاتِ حسنہ سے حضرت اقدس علیہ السلام کو وافر حصہ ملا ہوا تھا۔ قرآن مجید میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہے۔ فبما رحمۃ من اللّٰہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر۔ یہ جملہ اوصاف واخلاق بھی ہم نے آپ میں خوب ملاحظہ کئے۔ آپ اپنے خدام کے والدین سے زیادہ ہمدرد تھے۔ محبت کرتے تھے۔ اور درگذر وعفو سے کام لیتے تھے۔ کہ کسی کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ بڑے نرم دل تھے ہر شخص کو یہ خیال تھا۔ کہ جو سلوک ہمدردی میرے ساتھ ہے۔ کسی کے ساتھ نہیں۔ کتنا بھی ہجوم ہوتا۔ آپ ہرگز نہ گھبراتے۔ بلکہ خیال کرتے کہ یہ ہجوم اللہ تعالیٰ کی پیشگوئی کے مطابق ہے۔ کتنا ہی کسی کا مضمون سمع خراشی کرنے والا ہوتا۔ جس سے سامعین علی الخصوص مولوی عبدالکریمؓ جیسے بزرگ اکتا جاتے مگر حضرت اقدسؑ ہرگز پیشانی پر بل نہ لاتے۔ بلکہ گاہے گاہے آپ ہلکا سا تبسم فرماتے جس سے سامنے کے تھوڑے سے دانت نظر آ جاتے۔ مگر قہقہہ نہ ہوتا۔ اور یہ سب کچھ اُس کی حوصلہ افزائی کے لئے تھا۔

ماسٹر احمد حسین صاحب مرحوم فرید آبادی کے ایک بھائی عبدالرحمٰن نام حضرت نواب صاحب کے بچوں کے ملازم تھے۔ وہ ٹوٹے پھوٹے شعر بنا کر لاتے اور حضرت اقدس کو شام کے وقت سناتے۔ حضرت مزے لے لے کر سنتے۔ ایک شعر تھا ؎

نوابین نے جو ہم کو پکارا — تو ادھورا رہ گیا مضمون ہمارا

اس پر حضرت اقدسؑ ہنسے اور سامعین نے تو خوب قہقہے لگائے۔

ایک روز دربار لگا تھا۔ استاذی المکرم حضرت مولوی شیر علی صاحب سے حضور علیہ السلام نے کوئی بات دریافت کی۔ تو حضورؑ کے ادب اور رعب کے لحاظ سے مولوی صاحب کہنے لگے۔

"میں نے آپ کو فرمایا تھا۔"

اس پر کوئی ایسی بات نہ کی جس سے مولوی صاحب شرمندہ ہوتے۔

ایک روز بعد نماز مغرب دربار لگا تھا۔ حضرت اقدسؑ اور آپ کے گرد آپ کے بعض مخلص پرانی مسجد مبارک کے شہ نشین پر بیٹھے تھے۔ اور باقی لوگ نیچے فرش پر سامنے حضرتؑ کے بیٹھے تھے۔ اُن دنوں شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم مع اہل و عیال سید محمد علی شاہ صاحب کے ایک مکان میں رہتے تھے۔ دربار میں شیخ صاحب اور اُن کا لڑکا شیخ محمد صالح صاحب بھی تھا۔ مرزا خدا بخش صاحب مصنف "عسل مصفیٰ" بھی تھے۔ مرزا صاحب کا رنگ سیاہ تھا۔ اور وہ سیاہ لباس پسند کیا کرتے۔ اسوقت اُن کی رومی ٹوپی کوٹ پاجامہ اور پاؤں میں جرابیں بھی سیاہ تھیں۔ اور طرح طرح کے مسائل پر گفتگو ہو رہی تھی۔ نہ معلوم اُس بچے کے دل میں جو مرزا صاحب کی گود میں تھا کیا خیال آیا۔ کہا

مرزاجی! آپ کی جرابیں کالی۔ مرزاجی! آپ کا پاجامہ کالا۔ مرزاجی! آپ کا کوٹ بھی کالا۔ مرزاجی! آپ کی ٹوپی بھی کالی۔ اور مرزاجی! آپکا منہہ بھی کالا۔ اِس پر سامعین حیران بھی اور ہنسے بھی بہت۔ حضرتؑ بھی مسکرائے اور اِس قسم کی بات پیدا کر دی جس سے نہ تو کوئی بچہ کو خفا ہو۔ نہ ہی مرزا صاحب شرمندہ ہوں۔

آپ جب گفتگو کرتے یا مسکراتے تو اپنی سفید ملائم پگڑی کے لٹکے ہوئے شملہ سے جلد جلد اپنا چہرہ مبارک اور آنکھیں صاف کرتے۔ تا مجلس میں کوئی ناپسندیدہ بات خلاف اداب مجلس پیدا نہ ہو۔

اگر کوئی شخص تحفہ کے طور پر ایسی چیز پیش کرتا۔ جو مضر صحت ہوتی۔ تو آپ ہرگز ردّ نہ کرتے۔ قبول فرما لیتے۔ کیونکہ اُس کا ردّ کرنا خدا کی پیشگوئی کے کہ تیرے پاس لوگ دُور دُور سے تحائف لائیں گے خلاف سمجھتے۔

مَیں اخبار بدر میں محرر تھا۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر اخبار بدر نے حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ بعد میں قیمت اخبار دینے والوں کو بار بار وصولی قیمت کے لئے یاد دہانی کرنا پڑتی ہے۔ جس سے محرر کی تنخواہ اور محصول ڈاک کے خرچ کا زائد بوجھ پڑتا ہے۔ اخبار کی قیمت عـ۲ر ہے۔ کیا مابعد قیمت دینے والوں کے لئے ۳/ روپے قیمت رکھ دی جائے تا اسکا ازالہ ہو سکے۔ فرمایا بالکل درست ہے۔

کسی نے عرض کیا۔ حضور نواب صاحب بہاولپور حج کیلئے گئے تھے۔ واپسی پر راستہ میں فوت ہو گئے فرمایا۔ خدا نے حج قبول کیا۔ اور پسند کیا۔ کہ وہ پاک صاف اُس کے حضور حاضر ہوں۔ اور دوبارہ سلطنت کے جھمیلوں میں پڑ کر ملوث نہ ہوں

حاجی عمر ڈار صاحب ساکن نامنور کشمیر نے سیاہ رنگ کا شیرو نام ایک گدّی کتا تحفہ کے طور پر حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا حضرتؑ نے گھر میں رکھ لیا۔ ایک دن استاذی المکرم قاضی امیر حسین صاحب مدرس قرآن و حدیث نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز سے کہا جو ان دنوں سکول میں پڑھتے تھے۔ کہ میاں! میرا نام نہ لینا مگر اپنے طور پر حضرت صاحب سے دریافت کرنا۔ کہ حضرت حدیث میں آیا ہے کہ جس گھر میں کتا ہو۔ وہاں فرشتہ نہیں آتا۔ اور آپ کو تو وحی اور الہام ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت میاں صاحب کو فرمایا۔ ہاں بیٹا! جس گھر میں انسان کا نفس شریر کتا ہو۔ وہاں فرشتہ نہیں آتا۔ قاضی صاحب فرماتے تھے۔ کہ میاں صاحب نے جب مجھے یہ سنایا۔ تب میں شرم کے مارے پانی پانی ہو گیا۔ کہ ساری عمر قرآن و حدیث پڑھاتے رہے۔ ہمیں یہ نکتہ سمجھ نہ آیا۔ اور اس حدیث کو ظاہر پر محمول کرتے رہے مگر جو شخص مامور من اللہ تھا۔ اُس نے بلا تکلف سادگی سے اِس معمہ کو حل کر دیا۔

ایک دن ایسا اتفاق ہوا۔ کہ امام تو سجدہ کے بعد قیام میں چلا گیا۔ اور آپ غلطی سے التحیات میں بیٹھے رہے۔ حتیٰ کہ جب امام نے اللہ اکبر کہا۔ اور رکوع میں گیا۔ تب آپ کو اپنی غلطی کا علم ہوا۔ آپ جلدی سے اُٹھ کر رکوع میں شامل ہو گئے۔ جب نماز ختم ہوئی تو آپ نے علماء کو مخاطب کر کے امر واقعہ سے آگاہ کیا۔ علماء نے فتویٰ دیا کہ جب رکوع پا لیا۔ تو رکعت ہو گئی۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میرے نزدیک بھی اِسی طرح درست ہے۔

ایک شخص نے دریافت کیا۔ کہ حضرت عیسائیوں کے ساتھ ملکر کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا ایک فتویٰ ہے۔ اور ایک تقویٰ۔ از روئے فتویٰ جائز ہے۔ لیکن از روئے تقویٰ ناجائز۔ سائل سے پوچھا۔ اگر تمہارے باپ کو کوئی گالی دے۔ تو اس کے ساتھ کھاؤ گے؟ عرض کیا نہیں۔ تو فرمایا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باپ جتنی بھی عزت اور محبت نہیں۔

کسی نے شکایت کی۔ کہ میاں عبداللہ صاحب پروفیسر حضورؑ کے مخالفین سے سختی سے پیش آتا ہے۔ ایک دن آپ نے میاں عبداللہ پروفیسر سے کہا۔ میاں عبداللہ اگر کوئی شخص ہمیں بُرا کہے۔ تو آپ سختی نہ کیا کریں۔ میاں عبداللہ نے جواب دیا۔ ہاں جی! آپکے آقا کو کوئی گالی دے۔ تو آپ دم نہیں لیتے۔ جب تک اُس کا بیڑا غرق نہ کرا لیں۔ اور میرے آقا کو جو گالی دے۔ اُس کے واسطے یہ ہدایت فرماتے ہیں۔ حضرت اقدسؑ مسکرا کر خاموش ہو گئے۔

لنگر خانہ کے ایک باورچی کی اکثر شکایت آپکے پاس ہوتی۔ آپ سن کر درگذر فرماتے۔ آخر ایک روز فرمایا۔ کیا اس جگہ کسی فرشتہ کو لے آئیں گے اور یاد رکھو کہ کسی اپنے پیارے کو خدا ایسے کام پر مقرر نہیں کریگا۔ یہ غریب تین بار ایک روٹی کیلئے جہنم (تنور) میں جھانکتا ہے۔ عرصہ بعد جب شکایات بڑھیں تو آپ نے اُسے علیحدہ کر دیا۔ اور کسی کی سفارش نہ سُنی۔ اور قادیان سے چلے جانیکا حکم دیا۔ وہ اہل و عیال سمیت چلا گیا۔ اور حضرت صاحب سے تعلق برابر رہا۔ جو بعد میں اس کے بہت کام آیا۔

سال ۱۹۰۳ء کا ذکر ہے۔ کہ سکول کا انتظام حضرت نواب صاحب کے سپرد ہوا۔ انہوں نے مجھے قاضی عبدالرحیم صاحب، مرزا محمود بیگ صاحب اور ماسٹر عبدالرؤف صاحب کو تخفیف کر دیا۔ میں نے ملازمت کیلئے باہر جانے کا ذکر کیا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے مولوی عبدالکریم صاحبؓ کو خواجہ جمال الدین صاحب کے نام خط لکھنے کو فرمایا۔ مگر خواجہ صاحب نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد حضورؑ نے اپنے دست مبارک سے میاں محمد خان صاحب افسر بگھی خانہ کپورتھلہ کے نام میرے لئے خط لکھ دیا۔ خانصاحب نے خط کو بوسہ دیا۔ آنکھوں اور سر پر رکھا۔ مگر چونکہ خدا نے مجھے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں رکھنا تھا۔ ملازمت کا انتظام نہ ہوا۔ ایسے ہی منشی تاج الدین صاحب نے جو ریلوے دفتر میں اعلیٰ عہدہ پر مامور تھے۔ اور ان دنوں ملازمت کی کوئی مشکلات بھی نہ تھیں۔ بہت کوشش کی مگر عبث۔ آخر مفتی محمد صادق صاحب کے ساتھ اخبار بدر میں کام کرنے کے لئے مجھے قادیان بلا بھیجا۔ اُن دنوں حضرت بوجہ زلزلہ یا طاعون باغ میں ٹھہرے ہوئے تھے اور مولوی ابو الکلام آزاد کے بھائی حضرت اقدسؑ کی زیارت کے لئے یہاں آئے ہوئے تھے۔ یہ اپریل یا مئی ۱۹۰۵ء کا واقعہ ہے۔

اپریل ۱۹۰۶ء کا واقعہ ہے۔ کہ چوہدری اللہ داد صاحب ہیڈ کلرک دفتر میگزین تپ محرقہ سے بیمار ہوئے اور فوت ہو کر بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے۔ اِس سے پہلے بہشتی مقبرہ میں غالباً صرف حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی ہی قبر تھی۔ انہی دنوں میں بھی اِسی مرض میں مبتلا ہوا۔ اور میری بھی حالت نازک تھی۔ میں نے اپنی بیوی کو حضرت اقدس کی خدمت میں دعا کیلئے بھیجا۔ جو نہایت شرم و حیاء سے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں دعا کے لئے عرض کرتی۔ آپ فرماتے۔ دعا کریں گے۔ مگر مولوی حکیم نورالدین صاحب کو میری طرف سے کہو۔ کہ محمد نصیب کو جا کر دیکھیں حضرت صاحبؑ کے ارشاد پر مولوی صاحبؓ فوراً تشریف لاتے۔ اور علاج کرتے۔ مولوی صاحب مجھے کہتے تم گھبراؤ نہیں اچھے ہو جاؤ گے۔ تمہارے اطلاع کرنے سے حضرت صاحب کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور وہ مجھے بھیجتے ہیں۔ میں عرض کرتا۔ کہ میں تو صرف دعا کے لئے عرض کرتا ہوں۔ ایک دن میرے کان میں گولوں کے چلنے کی آواز آئی۔ پھر دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاں خدا تعالےٰ نے پوتا عطا فرمایا ہے۔ یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کے ہاں خدا تعالےٰ نے فرزند عطا فرمایا ہے۔ مَیں خدا کے فضل سے اچھا ہو گیا جب چھڑی لے کر چلنے پھرنے لگا۔ تو مجھے کسی نے بتایا۔ کہ حضرت میاں صاحب کی بیوی صاحبہ کے دونوں پستانوں پر پھوڑے نکلے ہوئے ہیں بچہ کو جس کا نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نصیر احمد رکھا دودھ نہیں ملتا۔ اس لئے

بڑی تکلیف ہے۔ میرے ہاں اُن دنوں ۹ ماہ کی امۃ اللہ نام ایک لڑکی تھی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اگر میری بیوی اِسوقت قربانی کرے۔ اور اپنی لڑکی کا کچھ دودھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پوتے کو پلائے۔ تو عجب نہیں۔ کہ حضرت صاحب کی دُعا سے خدا ہمارا بیڑا پار کر دے۔ میں گھر پہنچا اور سارا حال بیوی سے کہہ سنایا۔ وہ میری بات مان گئی۔ میں اسوقت گرتا پڑتا شیخ یعقوب علی صاحب کے پاس گیا۔ کیونکہ میں ان کے قریب رہتا تھا۔ اُن کو حال سنایا۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ اور کہا۔ اگر مرضی ہے۔ تو حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کو رقعہ لکھ دوں۔ کہ وہ حضرت کی خدمت میں عرض کریں۔ چنانچہ میں ایک چھوٹا سا پرزہ ان سے لیکر حضرت حکیم الامت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ بھی ازحد خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ حضرت صاحب کو تو بڑی تکلیف ہے۔ مگر کیا تمہاری بیوی بھی راضی ہے یا نہیں میں نے عرض کیا وہ راضی ہیں۔ اس سے پہلے ایک روز حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے مسجد مبارک کے چھت سے مولوی سیّد محمد سرور شاہ صاحب کو آواز دی۔ وہ اوپر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے فرمایا۔ مولوی صاحب! محمودؓ کے لڑکے نے تین رات سے مجھے سونے نہیں دیا۔ اس کی ماں کے دودھ نہیں وہ روتا رہتا ہے۔ ایک عورت کا دودھ پلاتے تھے مگر وہ اُس کا دودھ نہیں پیتا۔ ہم نے سمجھا۔ کہ چونکہ وہ صاف ستھری نہیں۔ شائد اسوجہ سے دودھ نہیں پیتا۔ اس لئے اُسے خوب نہلایا دھلایا۔ اور کپڑے صاف ستھرے پہنائے۔ مگر پھر بھی نہیں۔ مجھے خیال آیا۔ کہ آپ کی لڑکی دودھ پیتی ہے۔ اور خدا آپ کو مفت ثواب دلایا کرتا ہے۔ اگر آپ کے گھر سے منظور کریں۔ تو مفت کا ثواب ملیگا۔ مولوی صاحب نے اُسی وقت گھر جاکر اپنی بیوی کو بھیجدیا مگر مجبوری سے سات آٹھ دن سے زیادہ انتظام نہ رہ سکا۔ اور پھر ویسے ہی تکلیف رہی۔

بہرحال میرے عرض کرنے پر مولوی صاحبؓ نے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں رقعہ لکھا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے اسی وقت مولوی صاحب کو رقعہ لکھا۔ کہ اُن کو فوراً ہمارے ہاں بھیجدیں۔ میں اسی وقت خوشی خوشی گھر گیا۔ اور بیوی کو آنے کے لئے تیار کیا۔ اُدھر حضرت صاحبؑ نے ہمارے لئے مکان کا یہ انتظام کیا۔ کہ حضرت مولوی عبدالکریمؓ صاحب مرحوم کی بیوہ مسجد مبارک کی بالائی چھت کے شمالی جانب والے چوبارہ میں رہتی تھیں۔ وہ ہمارے لئے خالی کرایا۔ اور اُن کو حضرت صاحب نے نیچے کے مکان میں رہنے کے لئے فرمایا۔ اور دودھ کے برتن بھروا کر رکھا دیئے۔ تا دونوں بچوں کو دودھ بسہولت سے مل سکے۔ سو خدا کے فضل سے یہ انتظام جاری رہا۔

کچھ عرصہ بعد ہم وہاں آگئے جہاں مسجد مبارک کی اندرونی سیڑھیوں کے ساتھ ہی اندر کی طرف تختوں کا پردہ کرکے ایک کمرہ بنایا ہوا تھا۔ اور کچھ دیر تک اس کمرہ میں رہے۔ جو مسجد مبارک میں دائیں طرف ہے۔ جس کی کھڑکی مسجد میں کھلتی ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کھڑکی سے نماز پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ اور اب اس کے آگے کپڑے کا پردہ لٹک رہا ہے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت صاحب نے چاہا۔ کہ بہو صاحبہ کا علاج کرایا جائے۔ بہو کے والد صاحب حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اسسٹنٹ سرجن اُن دنوں رڑکی تھے۔ اور لاہور حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ جو اسی سال ڈاکٹری کا امتحان پاس کرکے میو ہسپتال میں ہوس سرجن بنے تھے۔ اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم اور ڈاکٹر سیّد محمد حسین صاحب تھے۔ گو پردہ کی جگہ کا اپریشن تھا۔ مگر حضرت صاحب نے قریب جگہ اور نیز آرام کا خیال کرکے لاہور ہی بھیجنا ضروری جانا اس لئے مختصر سا قافلہ بنا کر حضرت صاحب نے ہمیں لاہور بھیجا۔ اور ہم سب میر صاحب کے مکان پر میو ہسپتال میں ٹھہرے اور اسی جگہ ہر سہ ڈاکٹروں کے مشورہ سے کامیاب اپریشن ہوا۔ خلیفہ صاحب مرحوم خبر لینے وہیں تشریف لائے۔

بعد میں سب کا مشورہ ہوا۔ کہ کوئی ایسی عورت دودھ والی ملازم رکھی جائے۔ جس کا اپنا بچہ نہ ہوتا میاں نصیر احمد تنہا سیر ہو کر دودھ پیئے۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں اجازت حاصل کرنے کے لئے لکھا گیا۔ حضرت اقدسؑ نے ایک کارڈ پر جو ان دنوں ایک پیسہ کو آتا تھا جواب دیا۔ کہ ایسا ہرگز نہ کرو۔ محمد نصیب کی بیوی جیسی نیک اور ہمدردی سے دودھ پلانے والی کوئی عورت تمہیں نہ ملے گی۔ میر صاحب کے کوارٹر کے اندر سب حاضرین کو یہ خط سنایا گیا۔ سب خاموش رہ گئے۔ میں باہر مکان کے بیٹھا تھا۔ جب سب لوگ باہر آئے۔ تو خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم نے میری پیٹھ پر تھاپی دیکر کہا کہ "واہ اوشیخا اجت گیائیں۔ واہ اوشیخا جت گیائیں"۔ میں حیران کہ کیا بات ہے۔ آخر وہ کارڈ مجھے دیا گیا۔ کچھ عرصہ ہم سب لاہور رہے۔ جب پوری صحت ہو گئی۔ تو ہم قادیان واپس آگئے۔ مگر دودھ تاحال بہو صاحبہ بچے کو نہ دے سکتی تھیں۔ کیونکہ خشک ہو چکا تھا۔

اس کے کچھ دیر بعد میری بیوی کو ہلکا سا بخار آنے لگا۔ اور خفیف سی حرارت رہتی۔ اُس نے حضرت اقدس علیہ السلام سے ذکر کیا۔ بعض کا خیال ہوا۔ کہ شائد اب میاں نصیر احمدؓ کو دودھ پلانا نہیں چاہتی۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا۔ ایسا گمان کیوں کرتے ہو۔ حضرت میاں صاحب کو فرمایا۔ میاں تھرمامیٹر لگا کر دیکھ لو۔ چنانچہ میاں صاحب نیچے تشریف لے گئے۔ اور تھرمامیٹر لائے۔ دیکھا تو بخار تھا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا۔ دیکھو آخر بخار تھا۔ تو یہ کہتی تھی۔ بخار نہ ہو تو کون بیمار بنتا ہے۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے دودھ چھڑا دیا۔ اور حضرت صاحب نے اس کا علاج خود شروع کیا۔ کوئی ہفتہ عشرہ تک ہر روز صبح کے وقت حَبّ معدہ بقدر بیر ایک گولی ایک گلاس عرق کے ساتھ اپنے سامنے کھلاتے رہے جس سے بخار بالکل جاتا رہا۔ چند روز بعد ہم نے گھر واپس آنے کی اجازت چاہی۔ مگر آپ نے اجازت نہ بخشی۔ شائد اس خیال سے کہ یہ نامناسب ہے کہ اگر دودھ نہیں پلاتے تو ان کو رخصت کر دیا جائے۔ یہ آپ کے اخلاق فاضلہ کا ادنیٰ سا کرشمہ تھا۔ غرض دیر تک ہم وہیں رہے۔ چند روز بعد میاں نصیر احمد مع اپنی والدہ کے کسی تقریب پر اپنے ننھیال لاہور گئے۔ اور وہیں بیمار ہو کر فوت ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

جن دنوں ہم اس کمرہ میں رہتے تھے جسکی کھڑکی مسجد مبارک میں کھلتی ہے۔ تو حضرت صاحب اُسی کمرہ سے گذر کر مسجد میں نماز کے لئے آیا کرتے تھے۔ ایک روز میری بیوی سے حضرت صاحبؑ نے دریافت کیا۔ کہ محمد نصیب کی کیا تنخواہ ہے۔ اس نے کہا بارہ روپے ماہوار۔ اس پر حضرت صاحب سخت حیران ہوئے۔ اور فرمایا میں تو سمجھتا تھا پچیس روپے ماہوار ہوگی۔ بڑی تنگی سے گذارہ ہوتا ہوگا۔ دل پر اس کا گہرا احساس ہوا۔ جب بوقت نماز حضرت صاحبؑ کھڑکی کھول کر اس کمرہ سے مسجد مبارک میں جانے والے ہوتے۔ تو میری بیوی اندر گھر میں چلی جاتی۔ ایک روز کا ذکر ہے۔ کہ وہ اندر گھر میں گئی ہوئی تھی۔ حضرت صاحبؑ ململ کے یا ایک سفید کپڑے میں پچیس ۲۵ روپے باندھ کر چارپائی پر پھینک گئے۔ جب حضرت صاحب نماز سے فارغ ہو کر گھر میں تشریف لائے۔ اور میری بیوی کمرہ میں آئی۔ تو اُسے چارپائی پر پڑا دیکھ کر حیران ہوئی۔ میں آیا۔ تو مجھ سے پوچھا۔ میں نے کہا۔ میں نے تو رکھے نہیں اور حضرت صاحبؑ کے سوا اس کمرہ میں سے کوئی گذرتا نہیں۔ انہی سے دریافت کرنا چاہیئے۔ اگلے روز وہ کمرہ میں ایک طرف ہو کر بیٹھی رہی۔ جب حضرت اقدس تشریف لائے۔ تو دریافت کیا۔ کل روپے آپ نے یہاں پھینکے تھے۔ فرمایا۔ ہاں! اس نے پوچھا۔ کہ کس واسطے؟ فرمایا۔ تم نے اس روز بتایا تھا۔ کہ ہماری تنخواہ بارہ روپے ہے۔ میں نے سمجھا۔ کہ بڑی تنگی سے گذارہ ہوتا ہوگا۔ تم خرچ کر لو۔ اس نے عذر کیا۔ مگر آپ نے فرمایا۔ نہیں رکھ لو۔ پھر اس نے رکھ لئے۔ اور سارا حال مجھے سنایا۔ میں نے کہا۔ یہ اب حلال، طیب اور بلا مانگے خدا تعالےٰ کی طرف سے حضرت صاحبؑ [illegible] سے تبرک ہے۔ [illegible] زیور بنا لو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ کچھ دیر بعد میں دفتر ریویو سے دفتر صدر انجمن احمدیہ میں تبدیل ہوا۔ حضرت صاحب کی دعا اور توجہ سے میری تنخواہ پچیس روپے سے بہت زیادہ ہوگئی۔ اور میری بیوی کے پاس زیور بھی بہت سا ہوگیا۔

سوانح حیات حضرت حکیم مولوی عبید اللہ صاحب بسمل رض

(۲)

از مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل اسسٹنٹ ایڈیٹر "الفضل"

رات اور شاعر

کچھ عرصہ ہوا۔ "رات اور شاعر" کے نام سے ہماری جماعت کے ایک نوجوان شاعر نے اپنی ایک نظم ٹریکٹ کی صورت میں شائع کی تھی۔ اس کا دیباچہ حضرت حکیم مولوی عبید اللہ صاحب بسمل مرحوم نے لکھا۔ حافظ مبین الحق صاحب جو اس ٹریکٹ کے پبلشر تھے انہوں نے دیباچہ کے بعد "حضرت علامہ حکیم عبید اللہ صاحب بسمل کا تعارف" کراتے ہوئے حسب ذیل الفاظ مولوی صاحب موصوف کے متعلق لکھے۔

"جناب علامۃ الدہر اور فاضل اجل حضرت عبید اللہ صاحب بسمل کے نام نامی اور اسم گرامی سے وہ تمام بزرگ بخوبی واقف ہیں۔ جن کی جوانی بڑھاپے کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ چونکہ علامہ موصوف ایک گوشہ نشین آدمی ہیں۔ اس لئے میں ان کا انٹروڈیوس نوجوانوں سے بھی کرانا چاہتا ہوں۔ آپ پہلے ایک زبردست شیعہ مذہب کے پیرو تھے۔ اور ایک بے مثال کتاب "ارجح المطالب فی مناقب علی ابن ابی طالب" تصنیف فرمائی۔ جس پر شیعہ صاحبان فخر کیا کرتے ہیں۔ آپ فارسی زبان کے خوب ماہر ہیں۔ آپ نے "فارسی بول چال" تصنیف فرمائی۔ وہ نارمل سکولوں میں پڑھائی جاتی تھی۔ اور فارسی کی ٹیکسٹ بکس کے ساتھ اس کے کچھ حصص ملحق کئے گئے — ایک مسدس فارسی میں کتاب کی شکل میں لکھی۔ "حق الیقین" پیغامیوں کے رد میں اور "تحفۃ الامیر" کے فارسی ترجمہ میں آپ کے قلم کا بہت کچھ دخل ہے۔ اور فارسی نظم میں اسقدر قادر الکلام ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپکو فردوسی کا لقب عطا فرمایا۔

مزمور عجم

اس کے کچھ عرصہ بعد الہٰی صاحب نے "مزمور عجم" کے نام سے اپنے کلام کا مجموعہ شائع کیا۔ اور اس کا دیباچہ بھی حضرت حکیم مولوی عبید اللہ صاحب بسمل مرحوم سے لکھوایا۔ اس ٹریکٹ میں راجہ محمد اسلم صاحب نے مولوی صاحب موصوف کے متعلق لکھا:۔

"ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک صفحہ ہستی پر ہزاروں عبید اللہ پیدا ہوئے ہونگے۔ اور شائد لاکھوں کی تعداد میں زندان ہستی میں اسیر بھی ہوں۔ مگر جس عبید اللہ بسمل کا تعارف میں کرانا چاہتا ہوں۔ وہ کروڑوں میں سے ایک ہے۔ دنیا سے ان کا تعارف کرانا میرے لئے خرط قتاد سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔ کیونکہ ہندوستان اور ایران کا ہر پیر وجوان باوجود آپ کو اچھی طرح جاننے کے پھر بھی وہ آپ کی حیات سے آجکل بکلی ناواقف ہے"۔ جس کا نمایاں ثبوت یہ ہے۔ کہ ان کی مشہور تصانیف جو آجکل طبع ہوتی ہیں۔ ان پر آپ کے اسم گرامی کے ساتھ مرحوم و مغفور کا لفظ لکھا جاتا ہے۔ یہ بات اس پر دال ہے۔ کہ آپ کی گوشہ نشینی موجب ناواقفیت ہے اور پھر معمولی تعارف کرانا بھی شک میں ڈال دیتا ہے کہ آیا یہ وہی عبید اللہ بسمل ہیں۔ یا کوئی اور۔ اس لئے مجھے تعارف نہیں۔ بلکہ تعارف کی یاد دہانی کرانا ہے آپ کے استاد جناب مولانا مولوی محمد حسن صاحب شعری تھے۔ جن کے کلام کو مرزا اسد اللہ خاں غالب نے بھی مانا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ آپ دہلی گئے۔ اور آپ کا تعارف کسی نے مرزا غالب سے کرا دیا۔ اور کہا کہ آپ شاعر بھی ہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا۔ کچھ تازہ کلام۔ مولوی صاحب نے فرمایا۔ تازہ کلام نہیں! آپ طرح مصرع دیدیں۔ میں ابھی یہاں پر ہی نظم لکھ دیتا ہوں۔ طرح مصرعہ دیا گیا۔ اور آپ نے وہاں ہی بیٹھ کر نظم لکھی۔ جس کا ایک شعر یوں ہے ؎

چشم مخمورے کہ یارب دوش مست ناز بود
یک جہاں دل پائمال شوخیٔ انداز بود

آپ کا دیوان سردار دیال سنگھ چیف آف مجیٹھ صاحب ٹریبون اخبار لاہور نے چھپوایا ہے۔

مرزا غالب نے آپ کی بہت تعریف کی۔ مولوی صاحب کے بہت سے شاگرد تھے۔ مگر آپ حضرت عبید اللہ صاحب بسمل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے۔ کہ "تیرا علم یہ اٹھائیگا" اور مولوی صاحب کا فارسی میں اسقدر بلند پایہ تھا۔ کہ جب آپ کی وفات ہوئی۔ تو آغا کلب عابد خاں صاحب ای۔ اے سی۔ امر تسر صاحب دیوان اور کلب حسین خاں نادر ڈپٹی کلکٹر نے (جو مرزا غالب کے شاگرد تھے) اور جنکا یہ شعر مشہور ہے ؎

کون کہتا ہے کہ فن شاعری منحوس ہے
شعر کہتے کہتے میں ڈپٹی کلکٹر ہو گیا

فرمایا۔ آج حافظ مرگیا۔ سعدی مرگیا۔ خاقانی مرگیا۔ فردوسی مرگیا۔ انوری مرگیا۔ باوجودیکہ مولوی صاحب نے ان کی ہجو بھی کہی تھی۔

اب میں حضرت عبید اللہ صاحب بسمل کی مایۂ ناز تصنیفات کے نام لے کر آپ کے تعارف کی یاددہانی کراتا ہوں۔

(۱) ارجح المطالب فی مناقب علی ابن ابی طالب۔ یہ کتاب کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ جس پر شیعوں کے بڑے بڑے مجتہدین اور مشاہیر علماء شیعہ نے بڑے بڑے ریویو لکھے ہیں۔ (حضرت بسمل صاحب فرمایا کرتے ہیں۔ کہ جن کتابوں پر مجھے ناز ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے)۔

(۲) ترجمان فارسی۔ جس پر مولانا شبلی۔ مولانا ذکاء اللہ مولانا حالی۔ سید امیر علی۔ مولانا لطف اللہ علیگڑھی بیل صاحب ڈائرکٹر مدارس پنجاب وغیرہ وغیرہ نے ریویو لکھے۔ سید ممتاز علی صاحب مالک رفاہ عام سٹیم پریس لاہور نے چھاپی۔ اور یہ کتاب چند سال تک پنجاب کے مڈل کورس سرمایہ خرد اور پیرایہ خرد کے ابتداء (میں) بنام بول چال فارسی مدارس سرکاری میں رائج رہی۔ کچھ عرصہ بلوچستان کے سکولوں میں بھی زیر تعلیم رہی ہے۔

(۳) حق الیقین۔ یہ کتاب آپ نے پیغامیوں کے رد میں لکھی ہے جس کی نسبت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا تھا۔ کہ ایسی کتاب آجتک سلسلہ احمدیہ میں نہیں لکھی گئی۔

(۴) تذکرۃ الشہادتین کا ترجمۂ فارسی آپ ہی کی محنت کا نتیجہ ہے۔

(۵) خاتم النبیین۔ یہ نظم فارسی میں ہے۔ اور آپ کی حال کی ایک مایۂ ناز تصنیف ہے۔

(۶) مرآۃ الاسلام۔ یہ بھی آپ کی ایک مشہور تصنیف ہے۔

(۷) دعوت الامیر کے فارسی ترجمہ میں آپ کے قلم کا بہت کچھ دخل ہے۔

(۸) النص الصریح فی اثبات وفات المسیح۔ اسمیں آپ نے فارسی نظم میں ہی بحث کی ہے۔ جو کہ معمولی کام نہیں۔

(۹) حیات بسمل۔ آپ کی حال ہی میں یہ مایۂ ناز کتاب چھپی ہے۔

آپ کی مسدس بسمل ایک مایۂ ناز تصنیف ہے۔ جبکہ یہ کتاب فارسی روزنامہ حبل المتین کلکتہ کے ایڈیٹر کو بھیجی گئی۔ تو روزنامہ حبل المتین نسبت مسدس بسمل نگاشتہ بود۔ کہ "ایں کلام یکے از وطن پرستان اہل ایران است" لیکن جب یہ مسدس بسمل رامپور میں ایران کے ملک الشعراء جناب سنجر صاحب کے سامنے پیش کی گئی۔ تو سنجر نے لوگوں کے سامنے کہا۔ "واللہ من بہتر ازیں نمیتوانم گفت" اور یہ وہی سنجر ہیں۔ جن کے متعلق مولانا شبلی کہا کرتے تھے۔ کہ "یہ شعروں کی مشین ہے"۔ کیونکہ یہ ایک گھنٹہ میں دو تین سو شعر کہہ دیا کرتے تھے۔ اور نواب رامپور نے ان کو ایران سے منگوا کر اپنا ملازم رکھ لیا تھا۔

امیر احمد صاحب امیر مینائی نے جو کہ نواب کلب علی خاں صاحب والئے ریاست رامپور کے استاد تھے۔ حضرت بسمل کے حق میں "جوہر فرد"

کا لفظ تحریر فرمایا ہے۔ جوکہ روئیداد کتب خانہ رامپور میں اب تک چھپا ہؤا موجود ہے۔

ایک اور نامور اور مشہور شاعر منشی امیراللہ تسلیم نے آپ کے حق میں ایک مثنوی لکھی ہے۔ جوکہ روئداد کتب خانہ رامپور میں اب تک چھپی ہوئی موجود ہے۔ حیدر آباد کے مشہور شاعر حضرت گرامی جوکہ آپ کے گہرے دوست بھی تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ جیسا آپ کا کلام پُر معارف ہوتا ہے۔ ایسا ہم نہیں کہہ سکتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ جسقدر بسمل فارسی جانتا ہے کاش مجھ کو ایسی عربی آجائے!

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو فردوسی کا لقب عطا فرمایا ہے۔

"تعلیم الاسلام ہائی سکول میگزین" کا ایک مضمون

مارچ ۱۹۳۲ء میں "تعلیم الاسلام ہائی سکول میگزین" میں ماسٹر نذیر احمد صاحب رحمانی نے جو اس رسالہ کے اردو حصّہ کے ایڈیٹر تھے۔ "مشاہیرِ سلسلہ احمدیہ" کے زیرعنوان مولوی صاحب موصوف کے متعلق ایک مختصر سا مضمون لکھا۔ جو درج ذیل کیا جاتا ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا:۔—

حضرت مولوی عبیداللہ صاحب بسمل اُن فرید زمانہ علماء میں سے ایک ہیں جنہوں نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اوائل زمانہ میں قبول کیا۔

آپ نے ۱۸۵۲ء کے لگ بھگ عالم رنگ و بُو میں قدم رکھا۔ سرزمینِ امرتسر کو آپ کی جائے پیدائش ہونے کا فخر حاصل ہے۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت خواجہ مظہر جمال صاحب، حضرت امام علی شاہ صاحب نقشبندی مجددی کے مجاز خلیفہ تھے۔

حضرت مولوی صاحب کی تعلیم کی ابتداء فارسی سے ہوئی۔ ان کے والد نے انہیں مولانا ابومحمد حسن صاحب شعری قادری کے پاس پڑھنے کے لئے بٹھایا۔ جب فارسی خوب آگئی۔ تو عربی پڑھنے کے لئے انہیں مولینا عبداللہ غلام علی قصوری کے پاس بھیجا گیا۔ مولینا صاحب وہابی تھے۔ اُن کی صحبت میں اُن پر کچھ وہابیت کا رنگ چڑھ گیا۔ حضرت خواجہ مظہر جمال صاحب کو اس سے خطرہ پیدا ہؤا۔ کہ یہ کہیں وہابی نہ ہو جائیں۔ اور یہ بھی خیال تھا۔ کہ ان کو طب بھی سیکھنی چاہیئے۔ اس لئے انہیں کچھ مدّت بعد مولانا ابوعبداللہ کے پاس سے اٹھا کر حکیم مراد علی صاحب کے پاس بھیجا گیا۔ کہ طب کی تحصیل کریں۔ حکیم مراد علی صاحب بڑے پکے اور غالی شیعہ تھے اور جو شخص ان کے پاس اٹھتا بیٹھتا تھا۔ اس سے کچھ اس طرح اپنے عقائد کا اظہار کیا کرتے تھے۔ کہ اس پر شیعیت کا رنگ چڑھ جاتا تھا۔ یہ نوجوان تھے خلق متغیر، طبیعت سادہ تھی۔ آہستہ آہستہ شیعیت اثر کر گئی۔ حضرت خواجہ مظہر جمال صاحب حج بیت اللہ شریف سے واپس لوٹے تو اُن کے دوستوں نے انہیں اس بات کی طرف توجہ دلائی۔ انہوں نے اس بات کے تدارک کے لئے انہیں حکیم مراد علی کی صحبت سے منع فرمایا۔ اور طبّی تعلیم کی تکمیل کے لئے حکیم حسام الدین کے پاس جانے کی ہدایت دی۔ یہاں اور ہی معاملہ ہؤا۔ یہ حکیم صاحب بھی تفضیلی تھے۔ معتزل الاصول۔ حضرت علیؓ کی افضلیت کا عقیدہ اُن کی صحبت میں اور بھی پختہ ہو گیا۔

علمی شوق اور کارنامے ۔ حضرت مولوی صاحب کے علمی شوق اور مبلغ علم کا کچھ کچھ اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے۔ کہ انہوں نے طب پڑھی۔ تو اتنی کہ قانون۔ موجز نفیسی۔ سدیدی۔ اور شرح اسباب کی منتہیانہ کتابیں دیکھ ڈالیں۔ اور نہ صرف دیکھ ڈالیں بلکہ ان پر کامل عبور حاصل کیا۔ اور یہی ان دنوں علم طب کی انتہا تھی۔ علاوہ بریں آٹھ سال تک ریاست رامپور کے کتبخانہ کے رجسٹرار رہے۔ اور اس دوران میں عربی فہرست کتب مرتب کی۔

تفسیر تاویلات الکاشی کو شیخ محی الدین ابن عربی کی تصنیف قرار دیا جاتا تھا۔ اس خیال کو آپ نے غلط ثابت کیا۔ اور اصل مصنف کا پتہ نکالا۔

امام فخرالدین رازی نے ایک آیت قرآنی کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو سمجھا ہے۔ انہوں نے ثابت کیا۔ کہ یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نہیں۔ بلکہ حضرت نبی کریم فداہ ابی و امی کے متعلق ہے۔

پایۂ شعر و سخن ۔ حضرت مولوی صاحب زبانِ فارسی کے نہایت بلند پایۂ شاعر ہیں۔ ان کی تصنیفات میں اسلام کے عروج و زوال کی سرگذشت کے موضوع پر ایک مسدس مدّ و جزر اسلام ہے۔ اس کے متعلق صاحب "حبل المتین" نے لکھا۔ کہ "یکے از وطن پرستان اہل ایران تصنیف کردہ است" اور مشہور شاعر سنجر ایرانی نے کہا تھا۔ کہ "واللہ! من بہتر ازیں نمے توانم گفت۔" منشی امیراللہ تسلیم نے انہیں اپنے تذکرے میں "جوہر فرد" تک لکھا ہے۔

قبول احمدیت ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دامن مبارک سے وابستگی کی تقریب یوں پیدا ہوئی۔ کہ ایک تو قدیم سے ان کے خاندان اور حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان میں دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ اور آپس میں میل ملاقات اور خط و کتابت کی رسم جاری تھی۔ دوسرے جب اُن کی کتاب ارجح المطالب جس میں حضرت علیؓ کی افضلیت ثابت کی گئی ہے چھپ کر شائع ہوگئی۔ تو کسی نے اُن کو ایک نسخہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب "سرّ الخلافۃ" کا دیا۔ کتاب کا پڑھنا تھا۔ کہ آنکھیں کھل گئیں۔ انہی دنوں انہیں خواب میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ انہوں نے دیکھا۔ کہ امام حسینؑ ایک شخص سے کہہ رہے ہیں۔ کہ جاؤ! حضرت مرزا صاحب سے کہدو کہ میں آپ کے کہے پر یہاں آگیا ہوں۔ بس پھر کیا تھا۔ حکیم محمد حسین صاحب قریشی مرحوم کے ہمراہ قادیان تشریف لائے۔ اور بیعت سے مشرف ہوگئے۔

ایک نشان ۔ انہی دنوں حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید قادیان تشریف لائے تھے۔

ایک دفعہ یہ اُن کے قیام گاہ پر تشریف لے گئے دیکھا کہ چند کتابیں پڑی ہیں۔ اُن میں سے ایک اٹھائی۔ اور کھول کر پڑھنے لگے۔ وہ کتاب درثمین تھی۔ اور پہلا شعر جس پر نظر پڑی یہ تھا کہ ؎

کربلائے است سیر ہر آنم
صد حسین است در گریبانم

جی میں خیال کیا کہ بہت بڑا دعویٰ ہے۔ پھر اس کے بعد مسجد مبارک میں گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک شخص سے باتیں کر رہے تھے۔ حضور فرما رہے تھے۔ کہ الولد سرٌّ لابیہٖ۔ ابھی یہ الفاظ حضورؑ کے منہہ میں ہی تھے۔ کہ حضرت صاحبزادہ صاحب بھی مسجد میں تشریف لے آئے۔ اور اُن کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام گھر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی مرحوم نے حضرت صاحبزادہ صاحب سے پوچھا۔ کہ آپ حسنی سید ہیں یا حسینی؟ صاحبزادہ صاحب موصوف نے فرمایا۔ کہ ہمارا خاندان حسینی ہے۔

اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت صاحب زادہ صاحب کابل تشریف لے گئے۔ اور وہاں جا کر شہید ہوگئے۔ اور اُن کے شہید ہونے پر ان سب اشارات غیبی کے معنی کھلے۔

موجودہ حالات :۔ اب حضرت مولوی صاحب کا یہ حال ہے۔ کہ ضعف پیری سے دو قدم چلنا بھی محال ہو گیا ہے۔ دیارِ محبوب مدینۃ المسیح قادیان کے محلہ دارالفضل میں اپنے مکان کی بیٹھک میں بیٹھے رہتے ہیں۔ طبّی مشورے کے لئے یا مذاکرہ علمی کے لئے دوست آتے ہیں۔ اور گھنٹوں بیٹھ کر مستفیض ہوتے ہیں۔ غیرتِ ایمانی کا یہ حال ہے۔ کہ مَیں نے چند دن ہوئے یہ ذکر کیا۔ کہ سنا جاتا ہے۔ کہ ڈاکٹر اقبال نے سالِ رواں میں زبان فارسی میں ایک مثنوی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے خلاف لکھی ہے تو فرمانے لگے۔ اگر کہیں سے ہاتھ لگے تو منگواؤ۔ ہم جواب لکھیں گے۔ اب میں جب کبھی حاضر خدمت ہوتا ہوں۔

تو فرماتے ہیں۔ کہ وہ مثنوی نہ آئی۔

ایسے بزرگوں کی صحبت کی چار گھڑیاں بھی ہم لوگوں کے لئے جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ مبارک نہیں پایا۔ اکسیر کا حکم رکھتی ہیں۔

تفصیلی حالات

۱۹۳۵ء میں "مہتاب انفالِ رب ذوالجلال روشنی بخش خاندان خواجہ مظہر الجمال" کے نام سے حضرت مولوی صاحب مرحوم کے ایک صاحبزادہ جمیل احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب لکھی۔ جو نہایت ہی قابلِ قدر ہے۔ اس کتاب کے ایک حصّہ میں انہوں نے حضرت مولوی صاحب مرحوم کے حالات زندگی بھی لکھے ہیں۔ جو اس وجہ سے کہ اُن کے ایک بیٹے کے لکھے ہوئے ہیں۔ بہت معتبر ہیں۔ اور چونکہ اُن میں ایک حد تک آپ کے حالات زندگی پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس لئے امید ہے۔ کہ اس حصّہ کا مطالعہ احباب کے لئے باعث دلچسپی ہوگا۔

صاحبزادہ جمیل احمد صاحب نے لکھا:۔۔۔

حضرت خواجہ مظہر جمال صاحب قبلہ و کعبہ قدس اللہ سرہ العزیز کے دوسرے فرزند ہمارے والد حکیم مولوی صوفی خواجہ عبیداللہ صاحب بسمل احمدی ہیں جنہوں نے مولانا مولوی ابوعبداللہ غلام علی صاحب قصوری سے بسم اللہ شروع کی۔ اور قرآن مجید جناب احمد ملّا صاحب کشمیری سے پڑھا۔ اور فارسی کی کتب متداولہ کا درس مولانا مولوی ابو محمد حسن شعری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاصل کیا جن کی تربیت سے فارسی میں شعر بھی کہنے لگ گئے عربی حاصل کرنے کے لئے پھر مولوی غلام علی صاحب قصوری کا تلمذ شروع کیا۔ جب تک حضرت شعری مرحوم سے استفادہ حاصل کرتے رہے۔ اپنے آبائی مذہب پر سنی المشرب حنفی المذہب رہے۔ مگر مولوی غلام علی صاحب قصوری کی خدمت میں جانا تھا۔ کہ طبیعت میں انقلاب کے آثار نمودار ہونے لگ گئے۔ والدین نے عباد اللہ نام رکھا تھا۔ مولوی صاحب نے غلط قرار دیکر عبیداللہ کہنا شروع کیا۔ والد صاحب کو استاد کا ارشاد صحیح معلوم ہوُا۔ ان کی تقلید سے عبیداللہ کہلانے لگ گئے۔ یہ پہلا تغیّر تھا۔ جو ان کی طبیعت میں واقع ہوُا۔ انہیں دنوں میں امرتسر مقلدین اور غیر مقلدین کی کشتی کا اکھاڑہ بن گیا۔ وجوب تقلید رفع الیدین۔ آمین بالجہر۔ وضع الیدین علی الصدر و تحت السرہ پر بحثیں شروع ہوگئیں۔ والد صاحب حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تقلید چھوڑ کر اپنے استاد کی تقلید کرنے لگ گئے حضرت جد امجد خواجہ مظہر جمال صاحب حنفی المذہب تھے۔ مگر غیر مقلدین کو بُرا نہیں کہتے تھے۔ البتہ دادی صاحبہ جو حضرت شاہ حسین قدس سرہ کے خلیفہ ثانی بڈھن شاہ صاحب کلانوری کی مرید تھیں۔ ان کو اپنے اکلوتے بیٹے کا غیر مقلد ہونا سخت ناگوار گذرا۔ اور مولوی غلام علی صاحب کے پاس آنے جانے سے روک دیا۔ قرب وجوار میں حکیم مراد علی صاحب بٹالوی رہتے تھے۔ طب سیکھنے کیلئے ان کے مطب میں جانے کا حکم دیا شیعہ مذہب کے دلدادہ حکیم کو ایک نوعمر بے خبر سنی شاگرد کی تبلیغ کا موقع ہاتھ آگیا۔ طب کے ساتھ شیعہ مذہب کی تلقین شروع کردی۔ حضرت جدّ بزرگوار نے یہ خبر سنکر حکیم صاحب کے پاس جانا روک دیا۔ خطائے بزرگان گرفتن خطاست۔ لیکن اتنا عرض کرنے سے نہیں رہ سکتا۔ کہ حکیم مراد علی صاحب کی صحبت کا اثر شیعہ بننے کا تو خدا نے اپنے فضل سے دور کر دیا۔ مگر حُقّہ کا مرض ایسا لگا کہ چھٹنا محال ہوگیا۔ اور حکیم حسام الدین صاحب کے مطب میں حاضر رہنے کی تاکید فرمائی۔ انہی دنوں حضرت دادا صاحب انار اللہ برہانہٗ حسب الحکم حضرت قطب العارفین سیدنا امام علی شاہ صاحب ریاست ٹونک میں تشریف لے گئے۔ اور ان کی غیبت میں والد صاحب کو بغیر کسی مزاحمت کے شیعہ مذہب کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا ایک اور موقع ہاتھ آگیا یعنی انہیں ایام میں امرتسر کے ہائی سکول کی ہیڈ عربک ٹیچری پر پانی پت سے مولوی ابراہیم صاحب شیعہ پیش نماز آگئے۔ والد صاحب کو عربی علم ادب سے پہلے ہی لو لگی ہوئی تھی۔ وقت کو غنیمت سمجھ کر سبعہ معلقہ۔ حماسہ۔ حریری وغیرہ پڑھنے کے لئے ان کے درس میں جانے لگے۔ اور امامیہ مذہب کا گہرا رنگ حاصل کر لیا۔ مگر چونکہ آباء عن جدّ شیعہ نہیں تھے۔ اور حضرت شعری مرحوم سے سُن رکھا تھا ؎

دشنام بمذہبیکہ طاعت باشد
مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

اس لئے مجلس تبرّا میں جانے سے ہمیشہ کنارہ کش رہے۔ جب حضرت قبلہ جدّ بزرگوار دنیا سے جنت کو سدھارے۔ تو والد صاحب بمبئی جاکر ایک پارسی ملّا خسرو کے شاگرد سے ژند و پاژند و اوستا سیکھنے لگے۔ ابھی اس کے ایک دو صفحے ہی پڑھے تھے کہ پارسیوں اور سیّدوں میں چھیڑ شروع ہوگئی۔ والد صاحب ژند و اوستا کے پڑھنے سے مجبوراً دست کش ہوکر اہلِ ایران کی خدمت میں جاکر اصطلاحات و محاورات جدیدہ اخذ کرنے لگے۔ اور کتاب ترجمان پارسی کا مسودہ مرتب کیا۔ اتفاقاً جنرل عظیم الدین خان بہادر مدار المہام ریاست رامپور کسی سرکاری کام کے لئے بمبئی تشریف لے گئے۔ مولوی ریاض الدین صاحب ایف۔ اے بریلوی کی وساطت سے والد صاحب کو جنرل صاحب بہادر کی مجلس تک رسائی حاصل ہوئی جنرل صاحب اپنے ہمراہ رامپور لے آئے اور اس طرح علوم و فنون عربی و فارسی کے مشہور کتبخانہ رامپور تک رسائی حاصل ہوئی۔ اور والد صاحب کی دیرینہ آرزو بر آئی۔ صواعق محرقہ۔ صواقع ملّا نصر اللہ کابلی۔ تحفہ اثنا عشریہ۔ نزہتہ اثنا عشریہ۔ ازالۃ الغین۔ آیات بینات۔ رمی الجمرات وغیرہ سُنی و شیعہ کے باہمی ردّ و قدح کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ ردّ و قدح سے دل اکتا گیا۔ تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے مناقب کی کتابوں کا دیکھنا پسند آیا۔ اور "ارجح المطالب" کی تالیف شروع کی عظیم آباد پٹنہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کی لائبریری۔ کتب خانہ آصفیہ دکن اور ہندوستان کی دیگر لائبریریوں اور مشہور خانگی کتب خانوں کو دیکھتے پھرے۔ اور سات سال میں مسودہ مرتب کیا۔ کتاب کے لکھتے ہی لکھتے چند واقعات کو پڑھ کر خیالات بدلنے لگ گئے۔ اور شیعیت کے عمیق گڑھے سے اُبھر کر معتزلہ کے اصول کے مطابق تفضیلی بن گئے۔ اور کتاب کا دیباچہ لکھا۔ اس میں کُھلے لفظوں میں اقرار کیا ؎

پاس ادبم بر چہار است۔ لیکن بہ علی ہزار کار است

والد صاحب کی علوہمت قابلِ داد ہے۔ کہ اس وقت رامپور کے نواب صاحب بہادر حامد علی خان شیعہ تھے۔ مگر آپ نے کتاب کو اُن کے نام پر معنون نہ کیا۔ نہ ان سے صلہ لیا۔ اور نہ انعام لینے کی آرزو کی۔ رامپور کی رہائش کے دنوں میں مسدس مدّ و جزر اسلام پر قلم اٹھایا جس کی نسبت کلکتہ کے فارسی اخبار "حبل المتین" نے لکھا:۔ "یکے از وطن پرستان اہل ایران" اور سنجر ایرانی مشہور شاعر شیوا زبان نے کہا۔ "واللہ من بہتر ازیں نمے توانم گفت"

منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی استاذ الاساتذہ ہند اور منشی امیر اللہ صاحب تسلیم نے والد ماجد بسمل صاحب کی مدح سرائی میں جو کچھ لکھا۔ وہ ریاست رامپور کے کتب خانہ کی رپورٹ میں آج تک درج ہے۔

ارجح المطالب۔ مسدس مدّ و جزر اسلام اور ترجمان فارسی تینوں کتابیں لاہور میں آکر مختلف چھاپہ خانوں میں چھپوائیں۔ ارجح المطالب کی نسبت تمام ہندوستان میں شہرت ہوگئی۔ کہ ایسی کتاب آج تک ہندوستان میں نہیں لکھی گئی۔ لیکن اہل السنت اس خیال سے کہ حضرت علی رضؓ کے مناقب میں غلّو سے کام لیا ہے۔ اور اہل تشاع اس تعصب سے کہ حضرت ابوبکر رضؓ کی نسبت بھی اپنا حسن اعتقاد ظاہر کیا ہے۔ ناک بھوں چڑھانے لگے۔ لیکن باوجود اس کے بعض مصنفین نے اپنی کتابوں میں تعریفی الفاظ لکھے ہیں۔ اور آج تک اس کے متعدد اڈیشن نکل چکے ہیں۔

ترجمان پارسی کو سیّد ممتاز علی صاحب مالک رفاہ عام سٹیم پریس لاہور نے بڑے اہتمام سے نہایت

خوشخط چھاپا۔ اور شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی جیسے نقاد سے اور شمس العلماء مولوی الطاف حسین صاحب حالی جیسے وقت پسند مصنف سے اور مولوی ذکاء اللہ صاحب جیسے عالی دماغ پروفیسر سے اور سید امیر علی صاحب بیرسٹر ایٹ لاء سے اور خان بہادر پیرزادہ محمد حسین خان صاحب ایم۔ اے ڈسٹرکٹ جج سے اور بیل صاحب بہادر ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب سے ریویو حاصل کرکے ٹیکسٹ بک کمیٹی میں پیش کرکے تین سو روپیہ انعام حاصل کیا۔ اور مدارس پنجاب کے کورس سرمایۂ خرد۔ پیرایۂ خرد و گنجینۂ خرد کے ابتدائی صفحات ترجمان پارسی کے انتخابات سے مزین ہوئے۔ اور تخمیناً دس سال تک زیر تعلیم رہے۔

لاہور میں مثنوی مرآۃ الاسلام لکھی۔ جو امرتسر کے مطبع روز بازار میں چھپی جس کی نسبت مولوی سید امیر احمد شاہ صاحب رضوانی پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ یہ کتاب اسلامی سکولوں میں رائج ہونے کے قابل ہے۔

انہیں ایام میں امیر امان اللہ خاں والئے کابل کے خسر طرزی صاحب قسطنطنیہ سے لاہور میں آئے۔ اور بوجہ سابقہ تعارف کے مولوی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار کے مکان پر فروکش ہوئے۔ چونکہ طرزی صاحب فارسی کے کہنہ مشق شاعر اور نہایت شعر فہم اور قدر دان شعراء تھے۔ مولوی محبوب عالم صاحب حضرت قبلہ والد صاحب کو بھی اپنے ساتھ ملاقات کیلئے لیگئے۔ طرزی صاحب مرآۃ اسلام کو پڑھ کر کہنے لگے۔ اب ہمارا ہندوستان کا سفر بیکار نہیں گیا۔ ایں تحفہ را بکابل خواہیم بود۔

مولوی محبوب عالم صاحب نے والد صاحب سے درخواست کی۔ کہ ترجمان پارسی کی طرز پر ایک کتاب لکھیں۔ اور ساتھ ساتھ اردو ترجمہ بھی ہو۔ اور مختصر فارسی مکاتیب بھی ہوں۔ چنانچہ والد صاحب نے فارسی بول چال لکھی۔ اور پیسہ اخبار کے چھاپہ خانہ میں چھاپی گئی۔ اور بلوچستان کے سرکاری مدارس کے مڈل کورس میں مدت تک جاری رہی۔

ابھی والد صاحب لاہور ہی میں مقیم تھے۔ کہ بشپ لیفرائے نے زندہ نبی کے عنوان سے اشتہار نکال کر اہل اسلام کے تمام فرقوں کو دعوت دی۔ جب بشپ نے دوران تقریر میں تمام انبیاء کو مردہ اور حضرت عیسیٰ کو زندہ ثابت کرکے جمیع انبیاء پر حضرت عیسیٰ کی افضلیت کا دعویٰ پیش کیا۔ تو سب مقلد و غیر مقلد۔ اہل الحدیث۔ اہل القرآن اہل السنت والجماعت اور اہل تشیع یہ ڈینگ سن کر خاموش رہے۔ صرف حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب احمدی نے قرآن و حدیث اور انجیل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات اور رفع روحانی پر واضح دلیلیں بیان کرنی شروع کیں۔

دیوانہ را ہوائے بس است۔ والد صاحب کی تحقیق طلب طبیعت شیعہ و سنی کے جھگڑے کو پس پشت ڈال کر احمدیت کی طرف مائل ہوگئی۔ سب سے پہلے براہین احمدیہ کا غور سے مطالعہ کیا۔ پھر مسک العارف دیکھی۔ پھر سر الخلافہ۔ حمامۃ البشریٰ۔ اور اسلامی اصول کی فلاسفی کو پڑھا اور خوب غور سے پڑھا۔ اور قادیان پہنچ کر اپنے ہادیٔ کامل حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کے آستان مبارک پر جا ڈیرہ لگایا ؎

نقشبندی بود و نقشش خوش نشست
تا برنگ احمدیت نقش بست!

یہاں تعلیم الاسلام کالج کے پرشین پروفیسر ہوگئے کتاب تذکرۃ الشہادتین کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ جو مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں چھپا۔ سیدنا علامۂ زمان فخر الاسلام حکیم الامۃ مفسر قرآن حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب رضی کا درس قرآن سنا۔ نہ سنی رہے۔ نہ شیعہ۔ نہ تفضیلی ہاں ٹھیٹھ سلمان بن گئے

ابھی دو چار سال قادیان میں گذارے تھے۔ کہ باز بیلم دید ہندوستاں بخواب۔ پھر ایک غرض سے رامپور پہنچے۔ اور نواب حامد علی خان بہادر فرمانروائے ریاست رامپور نے باوجودیکہ والد صاحب نے کہہ بھی دیا کہ میں احمدی ہوں۔ باصرار اپنے پاس ملازم رکھ لیا۔ اور ہائی سکول میں عربی ہیڈ مدرسی پر مامور کیا۔ والد صاحب کے وہ مناظرے جو ان دنوں شیعوں کے ساتھ پیش آئے۔ اگر ان کو یہاں لکھا جاوے۔ تو میرا خیال ہے۔ کہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ والد صاحب کو حق الیقین فی تحقیق معنی خاتم النبیین کا مسودہ مرتب کرنا تھا جس کے لئے انہوں نے رامپور میں چند سال تک اپنا قیام پسند کیا۔ ادھر کتاب کا مسودہ مرتب ہوا۔ اور اُدھر نواب صاحب کی طبیعت کو والد صاحب کے روزمرہ کے مباحثوں نے منغض کر دیا۔ دوسری طرف سنی و شیعہ ندمائے دربار نے کہنا شروع کر دیا۔ کہ بسمل نہ سنی ہے نہ شیعہ۔ نہ وہابی ہے نہ احمدی۔ بلکہ پکا خارجی ہے۔ ناچار والد صاحب کو بیک بینی و دو گوش وہاں سے نکلنا پڑا۔ مُلّا کی دوڑ مسجد تک۔ پھر قادیان میں واپس ہوئے۔ اور حق الیقین کے چھپوانے کا اہتمام کیا۔ کتاب کا چھپنا تھا کہ ؎

قدم رکھتا ہے جکہ پاؤں کا پرکار دوراں پر

بھوپال کی ریاست کو سدھارے۔ اور دو کتابیں نظم میں لکھیں۔ ایک "خاتم النبیین" اور دوسری "حیات بسمل" "خاتم النبیین" تو شام و ایران تک پہنچ چکی۔ اور غالباً لنڈن کے کتب خانہ میں کسی الماری میں رکھی گئی ہو۔ حیات بسمل ایک رندانہ مثنوی ہے آپ خدا تعالیٰ کی جناب میں رندانہ مناجات کرتے ہیں ؎

اے خدا اگرچہ عذر من لنگ است ؎ نالہ ام نیز خارج آہنگ است
رحم فرما و حرف من بشنو ؎ در ہم از عرض حال بندہ مشو
من نہ از مکہ کعبہ دزدیدم ؎ بت بے جان نہ من پرستیدم
من نہ در ہیکل سلیمانی ؎ نصب کردم صلیب نصرانی
من نہ کشتم جناب یحییٰؑ را ؎ نکشیدم بدار عیسیٰؑ را
من پرستار سومنات نیم ؎ خادم لات یا منات نیم
خود تو دانی کہ من مسلمانم ؎ ہست توحید دین و ایمانم
پس چرا میدہی مرا تعزیر
خاصۃً ایں زماں کہ گشتم پیر
قشقہ دیدی اگر بہ جبہۂ من ؎ بے محابا سرم زتن برکن
دیدۂ گر صلیب در گردن ؎ گردن من بہ تیغ تیز بزن
برکمر دیدۂ اگر زنار ؎ خوں بحل کردمت بکش بردار
گرنہ آن دیدۂ نہ ایں با من
استخوانم مکوب در ہاون
دست موسیٰ زتو نمے خواہم ؎ دم عیسیٰؑ زتو نمے خواہم
لحن داؤدؑ ہم نمے خواہم ؎ معجز ہودؑ ہم نمے خواہم
صبر ایوبؑ ہم نمے خواہم ؎ حزن یعقوبؑ ہم نمے خواہم
ملک داری زتو نمے خواہم ؎ شہریاری زتو نمے خواہم
تاج شاہی زتو نمے خواہم ؎ کج کلاہی زتو نمے خواہم
تخت طاؤس را نمے خواہم ؎ تخت کاؤس را نمے خواہم
جام جمشید ہم نمے خواہم ؎ طشت خورشید ہم نمے خواہم
جاہ کیخسروی نمے خواہم ؎ ملکت کسروی نمے خواہم
صولت سنجری نمے خواہم ؎ دولت اکبری نمے خواہم
من بدخشاں زتو نمے خواہم ؎ بحر عماں زتو نمے خواہم
رود جیحوں زتو نمے خواہم ؎ نہر سیحوں زتو نمے خواہم
ملک ایراں زتو نمے خواہم ؎ دشت توراں زتو نمے خواہم
ہند و سند و عرب نمے خواہم ؎ مصر و شام و حلب نمے خواہم
آسمان و زمیں نمے خواہم ؎ از تو عرش بریں نمے خواہم
از تو خواہم کہ یار من باشی ؎ مونس جان زار من باشی
وقت مردن بیاد من آئی ؎ در دل بے مراد من آئی
چوں ز دنیا رہ سفر گیرم ؎ لطف فرما بیاد تو میرم
تا بیاد تو بگذرم از ہوش ؎ نام تو گیرم و شوم خاموش
از بدن چوں رواں رواں گردد ؎ نام پاک تو در دہاں گردد
للہ الحمد بر زباں باشد
حسبی اللہ ورد جاں باشد

انڈیا بھر میں کوئی لائبریری ایسی نہیں جس میں والد صاحب نے اپنے نام کے ساتھ اپنے والد ماجد قبلہ حضرت خواجہ مظہر جمال صاحب قدس سرہ کا نام نہ پہنچایا ہو۔ کیونکہ آپ کی تصنیفات اکثر کتب خانوں میں دیکھی گئی ہیں۔ اور دور دور تک ان کا چرچا پھیلا ہوا پایا ہے۔ گو آپ فقیرانہ زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔ اور کرتے ہیں۔ مگر جسقدر کہ تصنیفات کے ذریعہ سے آپ کو شہرت حاصل ہوئی ہے۔ وہ ہمارے خاندان کے معزز سے معزز

رشتہ دار کو حاصل نہیں ہوئی۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔ آپ کو تصانیف کا اسقدر شوق ہے۔ کہ اب بھی کتاب "اسلامی اصول کی فلاسفی" کا ترجمہ فارسی میں کر کے ایران بھیج رہے ہیں۔ کسی کو روپیہ کمانے کی فکر ہے۔ تو ان کو نام کمانے کی۔ گو ہمارے لئے کچھ نہیں چھوڑا مگر ہم خوش ہیں۔ کہ اپنا نام چھوڑ چلے ہیں۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ جیسے ہمارے دادا صاحب قبلہ نامور تھے۔ ہمارے والد صاحب بھی نامور ہیں۔ جہاں تاریخ میں اور مصنفین کا نام رہیگا۔ خدا کی درگاہ سے امید ہے۔ کہ ہمارے مفلس والد صاحب کا نام بھی اس فہرست کے کسی گوشے میں جلی حروف سے نہ سہی خفی حروف ہی میں سہی ضرور نظر آئیگا۔ والد صاحب حضرت بسمل صاحب کی لاطمعی کا ہمیشہ یہ حال رہا ہے۔ کہ باوجود اس کے کہ ہماری دوسری سوتیلی والدہ ماجدہ زینب بی بی بنت پیر امیر صاحب مخدومی کی ہمشیرہ خان بہادر ڈپٹی مہدی خاں صاحب رئیس اعظم ہریانہ، وزیر ریاست بہاولپور کے نکاح میں تھیں۔ والد صاحب اُن کے ہمزلف اور ایک دوسرے کے معرف بھی تھے۔ اور یہی پایچے کا رشتہ خان بہادر سید محمد امیر انسپکٹر آنریری مجسٹریٹ لاہور سے بھی تھا۔ مگر والد صاحب بجز چند ملاقاتوں کے ان دونوں سے کم ملتے رہے۔ بلکہ ہماری سوتیلی والدہ نامبردہ نے اپنے انہی دونوں بہنوئیوں کے گھر میں زیادہ رہائش کی وجہ سے موقعہ دیا۔ کہ والد صاحب نے اپنی تیسری شادی غلام محمد خان افغان عرف غلامی خانصاحب کی بڑی صاحبزادی عظمت النساء بیگم صاحبہ سے کر لی۔ جو بیچاری تپ دق کی بیماری جہیز میں اپنے ساتھ لے کر آئیں۔ اور ایک شب مہمان رہ کر والدین کے گھر میں واپس جاکر گیارہ مہینے بیمار رہ کر فوت ہوگئیں۔ اور والد صاحب اُن کی بیماری اور کفن دفن کے اخراجات سے مقروض ہو گئے۔ والد صاحب اب تک اُس مرحومہ کو ہمیشہ مغفرت کی دعا سے یاد کرتے رہتے ہیں۔ دور جانے کی بات نہیں۔ آپ کی تایازاد رضاعی بہن ہماری پھوپھی صاحبہ مخدومہ مکرمہ اللہ رکھی صاحبہ زوجہ جناب شیخ علی احمد صاحب وکیل گورداسپور کے فرزند ارجمند جناب شیخ محمود الحبیب صاحب بیرسٹر ایٹ لا و گورنمنٹ ایڈووکیٹ گورداسپور میں قیام پذیر ہیں۔ اور گورداسپور قادیان سے پندرہ میل کے فاصلہ سے زیادہ نہیں۔ مگر والد صاحب سالہا سال سے قادیان میں رہنے پر بھی شائد عمر بھر میں ایک دو دفعہ اُن سے ملے ہوں حالانکہ جناب شیخ صاحب والا مناقب اپنے ماموں صاحب کے دیکھنے کے ازحد مشتاق ہیں۔ اسی طرح سے اپنے بھتیجے داماد جناب علی محمد صاحب سشن جج امرتسر میں رونق افروز ہیں۔ اور امرتسر تک کوئی زیادہ فاصلہ نہیں۔ ریل میں صرف دو گھنٹے کا سفر ہے۔ مگر اللہ رے کم آمیزی کہ والد صاحب باوجود سابقہ محبت کے ان کے در دولت پر بھی جانا گوارا نہیں فرماتے۔ مگر یہ بھی نہیں۔ کہ رشتہ داروں سے نہ ملتے ہوں۔ یا خشک مزاجی کی وجہ سے الگ تھلگ رہنا پسند کرتے ہوں نہیں بلکہ جب کبھی بٹالہ میں جانیکا اتفاق ہوتا تھا۔ تو آپ ضرور اپنے تایا صاحب کی بیٹی فضل بی بی صاحبہ کے داماد میاں محمد بخش صاحب کو ملتے اور ان کے گھر بھی جاتے اور اپنی بھانجی رحیم بی بی صاحبہ کے سر پر بھی محبت سے ہاتھ پھیرتے۔ یہ نہیں کہ والد صاحب اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے نہیں ملتے یا اُن سے محبت و انس نہیں رکھتے۔ بلکہ طبیعت کی افتاد ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ بوجہ اپنی کم مائیگی اور سادگی کے دولتمند رشتہ داروں کی ملاقات سے ہچکچاتے رہتے ہیں۔ نہیں ہچکچاتے تو اپنے بھتیجے جناب خواجہ مظہر حسین صاحب ایل۔ ایل۔ بی اور بھتیجے داماد جناب محمد حسین خانصاحب مرحوم احمدی پوسٹماسٹر گورداسپور سے۔ جناب خانصاحب مرحوم ایک باخدا درویش انسان مبارک نفس تھے۔

ہاں یاد آگیا۔ جب نواب حمید اللہ خانصاحب فرمانروائے ریاست بھوپال مسند نشین ہوئے اُسوقت والد صاحب نواب ولیعہد بہادر نصر اللہ خانصاحب کے ہمزلف ظفریاب خان صاحب کی کوٹھی پر بھوپال میں فروکش تھے۔ اور "حیات بسمل" کا مسودہ درست کر رہے تھے۔ ایک شاعر خوش طبع فارسی زبان کا مطلا و مذہب قصیدہ مدحیہ لائے جو انہوں نے نواب صاحب بہادر کی مسند نشینی کی تقریب سے نہایت خوشخط لکھا ہوا تھا۔ اور ہر ایک مصرعہ سے مسند نشینی کی تاریخ نکالی ہوئی تھی۔ تاکہ ظفریاب خانصاحب کی وساطت سے دربار میں پیش کر کے حسب دلخواہ صلہ حاصل کریں۔ والد صاحب کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ اور کہنے لگے۔ آپ کیا لکھ رہے ہیں؟ والد صاحب نے کہا مثنوی ہے۔ فرمانے لگے۔ کیا میں اس کو دیکھ سکتا ہوں۔ والد صاحب نے مسودہ پیش کر دیا۔ خوب غور سے مثنوی کے متفرق مقامات کا مطالعہ کر کے کہا۔ کیا آپ نے نواب صاحب بہادر کی مسند نشینی کے متعلق بھی کوئی قطعہ یا قصیدہ لکھا ہے۔ حضرت بسمل نے آہ بھر کر کہا۔ مجھے اپنے نفس کی نوحہ گوئی سے کہاں فرصت کہ مدحیہ اشعار لکھنے کی طرف توجہ کروں۔ وہ شاعر صاحب یہ سنکر رو دیئے۔

الغرض میں سچ سچ عرض کرتا ہوں۔ کہ جب سے والد صاحب نے احمدیت قبول کی۔ اس روز سے بجز اپنے پیر و مرشد کی مدح کے نہ غزل کے لئے قلم اٹھایا۔ اور نہ قصائد مدحیہ کے لئے۔ موت اور مابعد الموت ہی کا رونا رویا۔ اب جبکہ چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گئے ہیں اور ایک آنکھ میں [illegible] اتر آیا ہے پھر بھی عینک لگائے ہوئے قلم چلائے [illegible] ہے ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے فارسی ترجمہ میں ہمہ تن مصروف ہیں، جو عنقریب ایران میں جاکر شائع ہوگا۔ خدا کرے ان کی زندگی میں چھپ جاوے۔

والد صاحب نے متعدد نکاح کئے اور اولاد بھی کثیر تعداد میں پیدا ہوئی۔ مگر اس وقت بجز دو کس کے اور کوئی زندہ نہیں۔ ایک قبلہ خواجہ مظہر اللہ شاہ صاحب اور دوسرا خاکسار جمیل احمد۔ اور اسوقت آٹھ ربائب ہیں۔ دو ربیب بھی موجود ہیں۔ جن کو انہوں نے اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبت کیساتھ پرورش کیا۔ ایک خالق رضا خاں اور دوسرا ہادی رضا خاں۔ مجھ پر بھائی صاحب خواجہ مظہر اللہ شاہ کی مہربانی تھی۔ کہ رشد بود حاصل کی۔ اور اگر والد صاحب کی تربیت میں رہتا۔ تو کچھ ہو جاتا۔ افسوس کہ سوتیلی والدہ مہربان نے اُن کے سایہ سے جدا کر دیا۔ والد صاحب کا پہلا نکاح اپنے تایا محمد گلاب خانصاحب مرحوم کی بڑی صاحبزادی عمر بی بی صاحبہ زوجہ بابا امیر الدین عرف امیر بخش صاحب مغفور کی نور العین نعمت بی بی صاحبہ جنت آرامگاہ سے ہوا۔ اُن کے انتقال کے بعد آپ نے پیرزادہ امیر پیر صاحب خلف الصدق پیجے پیر صاحب مخدومی کی دختر زینب بی بی صاحبہ مخدومہ سے نکاح کیا۔ جس سے ہماری خواہر والا گوہر زبیدہ خاتون تولد ہوئیں۔ اور وہ عین شباب میں قادر شاہ ولد حیدر شاہ صاحب کے نکاح میں دو صغیر السن لڑکے اور تین لڑکیاں چھوڑ کر والدین کو داغ مفارقت دے گئیں۔ ایک برخوردار کا نام ظہور شاہ دوسرے کا مقبول شاہ ہے۔ ہماری بڑی خواہر زادہ جندہ بیگم انور پیر خلف نور پیر خلف مصطفےٰ پیر صاحب مخدومی کے گھر میں ہے۔ دوسری ہماری ہمشیرہ زادہ مبارکہ بیگم جوانی میں اپنی والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد ایک بچہ چھوڑ کر جنت الفردوس میں جا بسیں۔

تیسری بیوی والد صاحب کی عظمت النساء بیگم تھیں ان کے والد ماجد کا نام غلام محمد خاں عرف غلامی خاں تھا۔ تھوڑے دن شادی کے بعد زندہ رہیں۔ اُن کے مرنے کے بعد امرتسر سے والد صاحب کا دل اُچاٹ ہوگیا اور رامپور چلے گئے۔ رامپور میں چند روز بحالت تجرد رہے۔ مگر لوگوں کے کہنے سننے سے مغفرت مآب میر احسان علی صاحب مرحوم کی دختر بلند اختر بشیر النساء بیگم صاحبہ سے نکاح کیا۔ جن کے بطن مبارک سے میرے قبلہ و کعبہ بھائی جان خواجہ مظہر اللہ شاہ صاحب پیدا ہوئے۔ یہ مرحومہ والدہ ماجدہ بھی کمسنی میں ہی رحلت فرمائے عالم عقبیٰ ہوگئیں۔ والد صاحب ان کی عادات اور خصائل کے ازحد معرف ہیں۔ اور دعائے مغفرت سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی وفات حسرت آیات کے بعد اُن کی بڑی ہمشیرہ وحید النساء بیگم صاحبہ سے جو بیوہ ہو چکی تھیں۔ نکاح کیا۔ جب وہ بھی وفات پاگئیں تو مسمی بہادر علی خاں نامی کی بیٹی عباسی بیگم سے نکاح کیا۔ یہ ایک لڑکا اور تین لڑکیاں پچھلے خاوند سے ساتھ لائیں۔ اور یہ نواب صاحب بہادر کی بیوی مغل جان صاحبہ کے اقارب میں سے تھیں۔ چند سال والد صاحب کے گھر میں رہ کر فوت ہوگئیں۔ والد صاحب نے کچھ عرصہ تجردانہ زندگی گذار کر جناب سدن خاں صاحب افغان یوسف زئی کی چشم و چراغ نادری بیگم صاحبہ مخدومہ مکرمہ معظمہ سے نکاح کیا۔ جن کے بطن سے یہ خاکسار جمیل احمد پیدا ہوا۔ خاکسار کی ولادت کے بعد والد صاحب کے دلی دوست صم

صم اور دیرینہ رفیق ملا حمید شاہ خانصاحب کی ہمشیرہ حسینہ بیگم صاحبہ کا شوہر علی رضا خاں فوت ہوگیا اور دو یتیم بچے چھوڑ گیا۔ ملا حمید شاہ خانصاحب نے والد صاحب کو اپنی اس بیوہ ہمشیرہ سے نکاح

← کی خدمتگذاری کا پورا پورا حق ادا کیا ہے۔ اور ان کی بیماری میں ایسی ہمدردی اور اخلاص دکھایا ہے جس کا ہم شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالے ان کو جزاء خیر عطا کرے۔ آمین۔ خواجہ مظہر اللہ شاہ صاحب نے مولوی محمد الدین صاحب آفریدی کی صاحبزادی شفا خانم صاحبہ سے نکاح کیا۔ جنکے بطن سے خدا نے ایک لڑکی اور دو لڑکے عطا فرمائے۔ لڑکی کا نام مجیدہ بی بی ہے۔ ایک برخوردار کا نام خواجہ نصر اللہ خاں ہے اور دوسرے کا خواجہ رفیع اللہ خاں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سعادتمند اور برومند کرے آمین۔